دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

... (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

مدیر : سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ ۱۵/ روپے ۔ فی پرچہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
• بیرون ملک بحری ڈاک ایک پونڈ ، ہوائی ڈاک دو پونڈ

دسمبر ۷۶ء تا جنوری ۷۷ء

جلد نمبر : ۱۲
شمارہ نمبر : ۳-۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سرچشمۂ خیر و برکت سے محرومی

دادی اماں مرحومہ کا وصال

فرصتِ غم کہاں زمانے میں آج رو لیں ترے لئے دم بھر

۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ ۱۰ دسمبر ۷۶ء بروز جمعۃ المبارک نمازِ جمعہ سے کچھ دیر قبل میری دادی صاحبہ مرحومہ و مغفورہ اور حضرت قبلہ والد بزرگوار شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی والدہ ماجدہ قدس اللہ سرہا العزیز واصل بحق ہوگئیں انا للہ وانا الیہ راجعون ـــــ اور یوں ہم خیر و برکت کے اس عظیم الشان سرچشمہ سے ظاہری طور پر محروم ہوگئے جس سے تقریباً پچاسی برس سے زائد عرصہ تک پورا خاندان مستفید ہوتا رہا۔

موت حق ہے اور سب کو جانا ہے، پھر مرحومہ کی عمر اور ضعف و نقاہت سب باتیں اسے ایک طبعی حادثہ بنا دیتی ہیں اور بظاہر یہ ایک ذاتی سانحہ ہے مگر درحقیقت دارالعلوم حقانیہ اور حضرۃ شیخ الحدیث مدظلہ کے تمام کاموں میں پس پردہ دادی صاحبہ مرحومہ کی پرسوز، مسلسل اور شبانہ روز دعائیں جس انداز میں کارفرما تھیں اور جو مضبوط روحانی سہارا حاصل تھا اس لحاظ سے یہ سانحہ صرف ایک گھرانے کیلئے نہیں بلکہ پورے ادارہ اور اسکی علمی و دینی سرگرمیوں اور دارالعلوم سے وابستہ ہزاروں لاکھوں فضلاء، متوسلین و محبین کیلئے رنج و غم بن گیا۔ قارئینِ الحق اور متعلقین میں سے بہت سے کم حضرات کو اس وجود باجود کی موجودگی کا علم تھا، اور جب وصال کا علم ہوا تو بہت سے اہل اللہ، علماء و صلحاء نے اس امر کا اظہار کیا کہ دارالعلوم کی ترقیات اور اس کے خدام کا دین کی سربلندی کیلئے حقیر مساعی کا راز اب سمجھ میں آیا ہے۔ حضرۃ شیخ الحدیث مدظلہ نے دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے ایک تعزیتی اجتماع میں برسبیل تذکرہ فرمایا کہ مجھے یہ یقین کامل ہے کہ اس پسماندہ بے آب و گیاہ سرزمین وادئ غیر ذی زرع میں دارالعلوم کا قیام اور دین کی اشاعت میری اس ضعیف والدہ ماجدہ کی سوز و تڑپ تعلق مع اللہ اور ہر لمحہ دعاؤں کا نتیجہ ہے ـــ پس دادی صاحبہ مرحومہ کی جدائی بلاشبہ اس لحاظ سے بھی موجب غم ہے کہ اس پُرفتن و پُرآشوب دور میں دارالعلوم اس سے وابستہ شعبے اور ادارے ایک بہت بڑی روحانی قوت سے (جو پس پردہ تھی) اور اسکی برکات اور دعاؤں سے محروم ہوگئے اللہ تعالیٰ اس خلاء کو مرحومہ کے روحانی برکات و فیوضات سے پُر فرمادے۔

ہر شخص کو اپنے خاندان کے بزرگوں سے محبت اور عقیدت ہوتی ہے، مگر راقم الحروف جب ان تمام طبعی عوامل اور دواعی سے ہٹ کر بھی مرحومہ کی طویل زندگی پر نگاہ ڈالتا ہے۔ تو ایمان و یقین، صبر و شکر اور عبدیت فنائیت

کے ایسے ایسے مظاہر میں اس پوری زندگی کو ڈوبا ہوا پاتا ہے۔ جو ہر لحاظ سے ایک مومن کامل کی زندگی کہلائی جاسکتی ہے۔
اس عہدِ ظلمات میں جبکہ مردوں میں بھی ایمان و اعمال کے معیار پر پورے اترنے والے عنقا ہیں دادی صاحبہ مرحومہ کی ذات میں ہمارے لئے ایک ایسی مومنہ قانتہ کی مثال موجود تھی کہ بلا مبالغہ ان کا کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ یادِ خداوندی اور فکرِ آخرت سے خالی نہ رہتا فرائض وسنن تو بڑی بات ہے نوافل و مستحبات، اور اوراد و اذکار میں بھی شدّت حرص اور انہماک و شغف کا عالم جب تک قویٰ نے مکمل جواب نہ دیا فرائض سے کم نہ تھا، معمولی سے معمولی مسئلہ اور کسی شرعی حکم میں اتنا تصلّب ہوتا کہ کسی کے کہنے پر اپنی رائے میں لچک نہ پاتیں، عزیمت کا یہ حال کہ رخصت یعنی تیمم اور اشارہ سے یا بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی ہم بمشکل انہیں آمادہ کرسکتے ایک مدّت مدید سے رمضان المبارک میں اعتکاف کا شدّت سے اہتمام فرماتیں، یہاں تک کہ گذشتہ سے پیوستہ رمضان المبارک میں بھی اس سنّت کو پورا فرمایا جبکہ بیماری اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے تمام تیمار دار روزہ نہ رکھنے پر بھی مُصر تھے، اس سال بھی جب کہ استغراق اور نیم غنودگی کی وجہ سے دن اور رات کا امتیاز بھی مشکل ہوگیا تھا، رمضان المبارک کے روزے پورے کئے جبکہ جسم سانس لینے کا متحمل نہ تھا۔ مگر عین افطار کے وقت بھی بڑی مشکل سے روزہ کھولیتیں اور یہ کھٹکا لگا رہتا کہ شاید یہ لوگ قبل از وقت ترس کھا کر میرا روزہ کھلواتے ہیں۔ قرآنِ کریم کا ایک معتدبہ حصّہ بچپن سے ازبر تھا، ادعیہ مسنونہ کے کئی مجموعے گنج العرش وغیرہ طفولیّت سے حفظ تھے اذکار و اوراد کا ایک بڑا ذخیرہ ان کے دماغ میں تھا۔ مگر اس کے باوجود نئی نئی دعاؤں اور اذکارِ مسنونہ کی تلاش میں رہتیں اس ضمن میں کسی دعاؤں کی کتاب میں جبکہ ان کی بینائی قائم تھی کوئی دعا یا ورد یاد کیا تھا اور بعد میں اسے کچھ بھول گئیں اور کتاب کا نام بھی حافظہ میں نہیں رہا تھا۔ مگر پچھلے دس پندرہ سال میں ایک بار نہیں بار بار جب بھی موقع ملا اس کتاب کی جلد وغیرہ کی نشانیاں بتلا بتلا کر مجھ سے تقاضا کرتیں کہ اسے ڈھونڈ کر دعا کی تصحیح کرادوں۔ یہی حال قرآنِ کریم کی نئی نئی سورتوں کے حفظ کرنے کا تھا۔ لیٹے لیٹے بھی زیادہ وقت قرآنِ کریم کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ اور ذکر اللہ میں گزرتا، اب جبکہ میں حافظہ پہ زور دے کر اپنے عہدِ طفولیّت کی یادوں کو دیکھتا ہوں تو کمرے میں دادی صاحبہ مرحومہ کو سحری کے وقت چکّی پیستے ہوئے پُرسوز اور مترنم لہجہ میں تلاوتِ قرآنِ کریم کی آواز کو اپنے کانوں میں آج بھی گونجتا ہوا محسوس کرتا ہوں چکّی کی آواز قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ایک عجیب سماں باندھتی، وہ خود فرماتی تھیں کہ ہمیں ہمارے والد صاحبؒ تاکید کرتے کہ صبح جب چکّی پیسنی ہوتی ہے (اور اس زمانہ میں یہ سب کام خواتین کرتیں) تو بے کار خاموش رہنے کی بجائے قرآن کی تلاوت کرتے رہنا اس طرح لطف بھی آئے گا اور تلاوت کی برکت اور لذّت میں کام بھی آسان ہوگا، فرمائیں کہ اس طرح ہم وقتِ نماز تک ۶، ۷ سیر گندم بھی پیس لیتیں اور تلاوت کا ثواب بھی حاصل ہوتا رہتا۔ پھر صبح صبح لسّی وغیرہ بنانے سے بھی فارغ ہوجاتیں، بعد میں بھی خوش قسمتی سے دادی صاحبہ کا کمرہ میرے کمرہ سے متصل تھا، بیچ میں ایک دروازہ بھی تھا، پچھلے سال تک سردیوں کی طویل راتوں میں

جب بھی میری اُدھر توجہ ہو جاتی تو دادی صاحبہ کی تلاوت ، اللہ تعالیٰ سے مناجات ، ذکر اللہ اور پشتو زبان کے عارفین شعراء رحمان بابا وغیرہ کی منظوم مناجات اور استغفار و تسبیحات کی ایک عجیب گونج سنائی دیتی ، رات بھر یہی شغل رہتا ۔ بالخصوص موت کے شدائد جہنم سے پناہ مرضیات ربانی کی التجا کا عجیب عالم تھا ، جب بھی ہم نے مزاج پرسی کی تو یہی کہا کہ یہ تو سب گذر جائے گا ، اس دنیا کی بات کرو ۔ اور خاتمہ بالایمان کی دعائیں مانگتیں ، سکرات موت کا انہیں بے حد ڈر تھا ، اور یہ مرحلہ ایسے گذرا کہ کسی کو محسوس نہ ہوا کہ سو گئی ہیں یا وصال ہو گیا ہے ۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر نے وفات کے بعد یقین دلایا کہ وصال ہو چکا ہے ۔

وفات کیلئے انہیں جمعہ کا دن بہت محبوب تھا وہ فرماتیں کہ میری دادیؒ کا وصال یوم العرفۃ کو صبح صادق سے قبل ہوا تھا ۔ والد مرحوم بھی جمعہ کو فوت ہوئے اور والدہ مرحومہ بھی عین اس وقت جبکہ تہجد پڑھتیں جمعہ کو فوت ہوئی تھیں ، میں بھی اللہ سے یہی مانگتی ہوں ۔ چنانچہ یہ تمنا خدا نے پوری فرمائی اور جمعۃ المبارک جسے والیوم الموعود وشاھد ومشھود کا بھی مصداق کہا گیا ہے ۔ نماز جمعہ سے کچھ قبل شہود حق کی دولت سے سرفراز ہوئیں ، عبادات میں انہماک زہد عن الدنیا کی یہ دولت انہیں اپنے والد ماجد اور بالخصوص اپنی والدہ ماجدہؒ سے ورثہ میں ملی تھیں وہ اپنی والدہ مرحومہ کی عبادات اور ریاضات کے وہ وہ حالات بیان کرتیں کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ، فرماتی تھیں ذی الحجہ اور محرم کے دس دس دن اور اس کے علاوہ ہر سال تین ماہ سات دن روزوں کا معمول تھا جسے تقریباً زمانۂ صحت میں مرحومہ نے بھی اپنایا ۔

یہی حال دادی صاحبہ کا عبادات کے علاوہ دیگر اخلاقی قدروں میں بھی تھا ، حیاء عفت کا یہ عالم تھا کہ ان کی بینائی کسی تکلیف سے ۳۰ - ۲۵ برس قبل زائل ہو گئی اندازہ یہ تھا کہ علاج اور اپریشن سے بینائی بحال ہو سکتی ہے اور پردے وغیرہ کا عارضہ ہے ، اس کے لئے حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے بارہا باصرار آمادہ کرنا چاہا مگر صرف اس وجہ پہ آمادہ نہ ہوتیں کہ میں اپریشن وغیرہ کے دوران نامحرم مردوں کو کیسے منہ دکھاؤں مجھے اُس دنیا کی آنکھیں چاہئیں یہ دنیا تو گذر جائے گی ۔ زندگی بھر میں نے کوئی نامناسب اور سخت جملہ ان کی زبان سے نہ سنا نہ غصہ اور غضب میں ڈوب کر کوئی ناشائستہ بات زبان سے نکلی ، جب تک صحت اچھی تھی سحری سے اشراق تک مصلّی پہ بیٹھ کر اپنے وظائف پورے کرنا اور پھر اس کے بعد آس پاس کے بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم پڑھانا پھر عصر کے بعد عشاء گئے تک اپنی عبادتوں میں مصروف رہنا اور رات کو سونے سے قبل بچوں بچیوں کو دینی احکام بزرگوں کے واقعات عالم آخرت ، برزخ جہنم ، پل صراط اور میدان محشر کی باتیں سنانا بھی روز و شب تھے جب ناچیز اپنے حقیر سے دینی جذبات اور احساسات پہ غور کرتا ہے تو ان باتوں کی اوّلین مربیہ اپنی دادی اماں ہی کو پاتا ہے جو میرے بود و شعور رہی ہے ۔ رات کو سونے سے قبل خدا و رسولؐ اور آخرت کی باتوں جنت و جہنم کی تفصیلات فرشتوں کے حالات صحابہ کرامؓ اور بزرگوں کے عجیب و غریب واقعات میں مجھے مگن کر دیتیں ۔ یہ میری وہ عمر تھی کہ میرا ذہن ان باتوں کا قطعی صحیح ادراک نہ کر سکتا اور میں حیرت کی وادیوں میں اپنے آپ کو گم پاتا ، یہی نہیں بلکہ غزوات رسول اور فتوحات مصر و شام اور کربلا کی داستان کرب و بلا کی اوّلین جھلکیاں اپنے دماغ میں اپنی دادی اماں ہی کے ذریعہ محسوس کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ عمل کی ہزار تہ دامنی اور تہی دستی کے باوجود اگر دادی اماں مرحومہ نے بچپن سے معصوم دینی جذبات اور احساسات کا بیج دل میں نہ بویا ہوتا

تو شاید عمل کے ساتھ ساتھ عقیدہ کی کتنی کوتاہیوں کا شکار ہوتا۔ وہ میرے دینی جذبات کی پہلی معلمہ اور مربیہ تھیں حق تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ۔

اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی فصادف قلباً خالیاً فتمکنا

خداوند کریم نے اپنی اس عابدہ اور شاکرہ کو دنیا میں بھی آنکھوں کی ٹھنڈک سے نوازا یعنی حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ جیسا فرزند دیکھا اور ان کی علمی و دینی برکات سے خوش ہو ہو کر اس دنیا سے گئیں، وہ مجھے فرماتی تھیں کہ وہ اور میرے دادا مرحوم آپس میں باتیں کرتے کہ ہم نے حضرت مدظلہٗ کی شکل میں ایک پودا دین کیلئے لگایا ہے، کاش! یہ پودا ایک گلشن سرسبد بن جائے اس پودے کو دادی صاحبہؒ نے خون پسینہ سے سینچا اسکی آبیاری کی اور اسے اتنا سرسبز و شاداب بنا ہوا دیکھا کہ [illegible] کے ثمرات ہزاروں فضلاء اور علماء جیسی روحانی ذریت کی شکل میں انہیں ملے جو انشاء اللہ اب عالم آخرت میں رہتی [illegible] ان کیلئے صدقہ جاریہ بنیں گے ۔

وفات کے وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ قومی اسمبلی کے اجلاس میں مصروف تھے اطلاع ملنے پر شام کو گھر پہنچے ۔ احقر راقم الحروف کراچی میں تھا ہفتہ کے روز رات کو گھر پہنچا، نمازِ جنازہ ہفتہ کے دن گیارہ بجے پڑھی گئی بدقسمتی سے میں اس سعادت اور آخری دیدار سے محروم رہا۔ وفات کی خبر راتوں رات اکثر علاقوں میں پہنچ گئی ریڈیو نے اس خبر کو رات کو اور پھر صبح کو نشر کیا، اخبارات میں بھی اطلاع آگئی۔ اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ایسا پُرشکوہ نورانی جنازہ اس علاقہ میں دیکھنے میں نہیں آیا ایک عجیب نورانی مخلوق، علماء و صلحاء مشائخ طلبہ علوم دینیہ اور دیگر دیندار مسلمان فوراً پہنچ گئے ۔ ہر شخص تجہیز و تدفین کی سعادت میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ مقامی ٹاؤن کمیٹی اور شہریوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔ اکثر و کا تیں بند رہیں علماء و مشائخ کے علاوہ بے شمار عمائدین، شرفاء اور معززین ملک پہنچ گئے بعد میں تعزیت کا سلسلہ بھی بے حد دراز رہا، تعزیت کیلئے آنے والوں میں گورنر سرحد کئی وفاقی اور صوبائی وزراء قومی و صوبائی اسمبلی کے ارکان تعلیمی اداروں سے وابستہ حضرات بالخصوص پشاور یونیورسٹی کر جس کے وائس چانسلر سے لیکر اکثر شعبوں کے سربراہوں، پروفیسروں، لیکچراروں اور طلبہ نے بہت بڑی تعداد میں قدم رنجہ فرمایا۔ ملک بھر سے مدارس عربیہ بالخصوص فضلاء دارالعلوم حقانیہ نے ختم کلام پاک اور روحانی والدہ کیلئے ایصالِ ثواب و دعائے مغفرت کی اطلاعیں دیں۔ ملک کے سرکردہ اکابرِ ملت نے دعاؤں سے نوازا، بندہ ناچیز ان تمام حضرات کا تہ دل سے مشکور ہے ۔

اپنی اماں جی (جنہیں ہم اس نام سے پکارتے تھے) کے ہم اہل خاندان پر بے حد احسانات اور حقوق ہیں جس کی وجہ سے یہ چند سطور بطور "نذرِ عقیدت" اپنے معزز قارئین نقشِ آغاز سے اس بار مستعار لینے پڑے کہ شاید وہ اپنے اس خادمِ دیرینہ کو ایک ذاتی سانحہ میں اظہارِ جذبات کا حق بڑی خوشی سے دیں گے ۔

اللھم نور قبرھا و برد مضجعھا و امطر علیھا شآبیب الرحمۃ والرضوان الی یوم القیمۃ آمین

غمزدہ - سمیع الحق

مؤتمر المصنفین کی تازہ پیشکش

علماء طلبہ اور ارباب مدارس کیلئے عظیم الشان خوشخبری
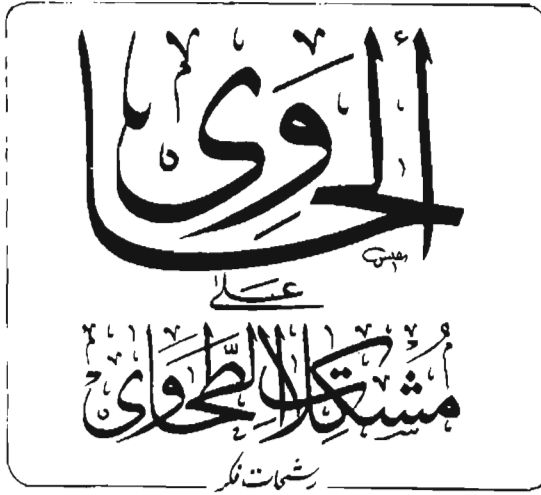
شیخ الحدیث مولانا زکریا سہارنپوری، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان کاملپوریؒ

مولانا عبداللطیفؒ ناظم مظاہر العلوم، مولانا مفتی سعید احمدؒ مولانا اسعد اللہ مدظلہ

فقہ حنفی اور فن حدیث کی عظیم الشان مروج کتاب طحاوی شریف کے تقریباً ایک سو مشکل مقامات کے بارے میں مذکورہ بالا اکابر کے مشترکہ غور وفکر اور بحث ومباحثہ کا مجموعہ برصغیر کے ممتاز ترین علماء ومحدثین کی ایسی اجتماعی تصنیف جس میں کسی ایک مقام کے حل پر کبھی کبھی ہفتوں سوچ وبچار کیا گیا یہ نادر افادات غیر مطبوعہ اور پراگندہ ومنتشر اوراق کی شکل میں تھے۔ علمی اور حدیثی حلقوں میں اس کا چرچا اور اشتیاق رہا۔ اور اب اسے پہلی بار طبع کرنے کی سعادت مؤتمر المصنفین نے حاصل کی۔

کتاب چھپ چکی ہے۔ اور اسکی ترسیل جاری ہے۔

ترتیب وتالیف : قاری سعید الرحمان

صفحات ۲۲۴ ، عمدہ آفسٹ طباعت ، اعلیٰ کاغذ ، قیمت بارہ روپے علاوہ محصول ڈاک

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

تفسیر و اصولِ تفسیر

بحالت سفر حسب الحکم صرف یادداشت سے مختصراً آٹھ صفحے کا مضمون لکھ کر ارسال خدمت ہے۔ پوری تصحیح کے ساتھ شائع فرمایا جائے۔ شمس الحق افغانی

تفسیر لغت عرب میں کشف اور کھولنے کا نام ہے اور علم تفسیر وہ علم ہے جس سے قرآن حکیم کا طرز تلفظ اور معانی مفردات، قرآن اور مرکبات و جمل اس طرح کھل جائے کہ مراد الٰہی واضح ہو جائے تفسیر کا آغاز خود دورِ نبوت میں ہوا۔ اور بقول امام ابن تیمیہ خود سرور کائنات صحابہ کرامؓ کو مطالبِ قرآن کا درس دیتے تھے۔ نیز قرآن نے حضورؐ کی شخصیت کو بطور مفسر قرآن کے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ لتبین للناس ما نزل الیھم اور یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

بہرحال قرآن حکیم کا صحیح مطلب صاحبِ قرآن کی ذاتِ اقدس سے وابستہ ہے۔ یا بعد ازاں حضورؐ کے شاگردان بلاواسطہ یعنی صحابہ کرامؓ سے متعلق ہے۔ اور اس طرح درجہ بدرجہ تابعین اور تبع تابعین کی تفاسیر سے صحیح مراد قرآنی تک رسائی ہو سکتی ہے۔ اور ان حضرات کا فہم مراد قرآنی معیار حق ہے کیونکہ مابعد زمانے میں ہر مفسر اپنے عہد کی ذہنی آب و ہوا کی پیداوار ہے، اور بہت کم مفسر ہیں جن کے ذہن و دماغ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صدرِ اول سے اسوقت تک جتنے مفسر پیدا ہوتے ہیں وہ تفسیری معیار فکر کی ایک روبہ زوال فکر و علم کی ایک مسلسل زنجیر ہے، اور ہر پچھلی کڑی پہلی سے پست تر واقع ہوئی ہے۔ مفسرین کے سلسلے میں جب ہم اوپر کیطرف دیکھتے ہیں تو قرآنی مطالب کی حقیقت اپنی قدرتی شکل میں زیادہ واضح نظر آتی ہے۔ اور جب نیچے اترتے ہیں حالت برعکس نظر آتی ہے بہ صورتِ حال مسلمانوں کے ادبار اور دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی وہ جب قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکے تو انہوں نے قرآن کو اسکی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتارنا چاہا کہ ان کی پستیوں

کا ساتھ دے سکے جسکا بڑا سبب یہ تھا کہ قرآن اپنے اندازِ بیان طریقِ خطاب، اپنے طریقِ استدلال الغرض اپنی ہر بات میں دنیا کے وضعی اصطلاحی اور فنون مدونہ کے خود ساختہ قوانین کا پابند نہیں اور نہ اسے پابند ہونا چاہیئے، کیونکہ وہ اپنی ہر بات میں فطری طریقہ رکھتا ہے۔ قرآن کے نزول کے وقت اسکے مخاطبین کا پہلا گروہ ایسا تھا کہ ان کا دل و دماغ تمدن کے اصطلاحی سانچوں میں ڈھلا ہوا نہ تھا بلکہ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت میں ان کا ذہن ڈھلا ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قردن کا فطری اندازِ بیان جب ان کے ذہنوں کے سامنے آیا تو ٹھیک ٹھیک ان کے دلوں میں بس گیا۔

صحابہ کرامؓ جب قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے تو سننے کے ساتھ ہی اسکی ٹھیک حقیقت کو پالیتے تھے اور انکو کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی تھی، لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد جب روم و ایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور علوم و فنون اصطلاحیہ کا دور شروع ہوا تو اصطلاحیت کا ذوق بڑھنے لگا، اور قرآن حکیم کے فطری اسلوب سے بُعد اور ناآشنائی بڑھتی چلی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کی ہر بات کو علوم و فنون کے وضعی سانچوں میں ڈھالنا شروع ہوا۔

قرآن جب ان سانچوں میں ڈھلنا قبول نہیں کرتا تھا اس لئے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہونے لگے اور سلجھانے کی جس قدر کوششیں بڑھتی گئیں تو الجھاؤ میں اضافہ ہونے لگا۔ اس دور کے مفسرین کی طبیعتیں فطرت کی سادی بات پر راضی نہیں ہوتی تھیں بلکہ علوم و فنون کی اصطلاحیت اور صناعیت میں قرآنی مطالب کی عظمت تصور کرتے تھے، اس لئے انہوں نے قرآن کے سادہ اور فطری مطالب کے لئے اصطلاحیت کے جامے تیار کرنے شروع کئے اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آسکتا تھا۔ اور انہوں نے بہ تکلف اسکو پہنانا چاہا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآنی حقائق کی موزونیت باقی نہیں رہی اور ہر بات ناموزوں ہو کر رہ گئی۔

امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر لکھی اور کوشش کی کہ قرآنی حقیقت کو مکمل طور پر یہ مصنوعی لباس پہنایا جائے لیکن یہ کمان اس سے نہ ہو سکی۔ اس وضعیت اور اصطلاحیت میں انہوں نے اپنی تفسیر کا نصف سے زائد حصہ صرف کر دیا لیکن حقیقت یہ کہ وضعیت کے پردے جس قدر ہٹتے جائیں گے، اسی قدر قرآن کی اصل حقیقت ابھرتی آئے گی۔ ہم اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کرنا چاہتے ہیں، قرآن حکیم نے ارادہ الٰہی کی موثریت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی خدا جب کسی شئے کی نسبت ہونا طے کر لیتا ہے تو فرماتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے، یہ سادہ طرز اپنے مقصد میں بالکل واضح ہے۔ کہ ارادہ خداوندی اپنے اثر کے

نافذ کرنے میں دیر نہیں لگاتا۔ بلکہ اس کا تقاضا ایسا جلد پورا ہو جاتا ہے کہ جیسے کسی چیز سے کہا جائے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ اب مصنوعیت کا جامہ پہنانے میں یہ الجھاؤ پیدا ہو گیا کہ خدا جب کُن کہتا ہے تو یہ خطاب اسی شئے کے وجود کی حالت میں ہوتا ہے یا عدم کی حالت میں اگر پہلی صورت ہے تو موجود کو یہ کہہ دینا کہ ہو جا عبث ہے اور عدم کی حالت میں معدوم کو خطاب کرنا درست نہیں اب ایک صاف محاورہ میں یہ الجھاؤ پیدا کر دیا گیا۔ یا مثلاً لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا میں توحید باری پر فطری استدلال کیا گیا ہے۔ کہ اگر کائنات کے نظام کو چلانے کیلئے ایک ذات کے سوا متعدد خدا ہوتے تو ضرور کائنات کا موجودہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس فطری استدلال کو جب منطق کا وضعی لباس پہنایا گیا تو الجھاؤ پیدا ہو گئے کہ نفی فساد ہے۔ اشتراک استدلال، ماضی کے اعتبار سے ہے یا حال و مستقبل کے اعتبار اور کیا ایک ہی نظام پر متعدد الہٰۃ کا اتفاق ممکن ہے یا نہیں۔

یہی منطقی اور اصطلاحی الجھنیں ہیں جس نے اس صاف اور فطری صداقت کو بجائے واضح کر دینے کے مشتبہ کر دیا۔ یہی ارباب فنون مفسرین قرآنی استدلال کیلئے منطقی مقدمات کو ترتیب دے کر انکے مباحث میں دور از کار بحثیں چھیڑتے تھے اور ان بحثوں سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ قرآن یا صاحب قرآن کو منطقی ثابت کرنے میں دونوں کی عظمت ثابت ہو گی۔ لیکن اس سے یہ نقصان ہوا کہ ایسا کرنے میں قرآن کی ساری خوبی اور دلنشینی گم ہو کر شکوک و شبہات کے سینکڑوں دروازے کھل گئے۔

فلسفی مصطلحات اور عربی زبان کی مصطلحات ان فلسفی اور منطقی مصطلحات کی قالب میں قرآن کو ڈھالدینے سے ایک نقصان تو یہ ہوا جو اوپر ہم نے ذکر کیا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ قرآنی الفاظ کو ان مصطلحات کی شکل میں وہ معانی پہنائے گئے جسکا سلف صالحین کو وہم و گمان بھی نہ ہوا ہو گا وضعیت نے قرآنی مطالب کو مختلف صورتوں میں تبدیل کیا۔

۱۔ یونانی منطق و فلسفہ کے پرستاروں نے سماویات اور کائنات جو کے قرآنی مطالب کو نظام بطلیموسی اور فلسفہ ارسطو پر فٹ کرنا چاہا جس سے قرآن کی ساری خوبی گم ہو گئی۔

۲۔ جیسے آجکل کے خرد فروشوں نے جدید مغربی علم ہیئت اور سائنس پر قرآن کو فٹ کرنا چاہا تاکہ زمانہ حال کے علوم قرآن سے ثابت کئے جائیں اور فلسفہ حال اور سائنس کو قرآنی آیات میں بھر دیا جائے جس کا صاف مقصد یہ تھا کہ قرآن کا نزول اس لئے ہوا کہ جو بات ڈارون، نیوٹن، کوپرنیکس اور دیلیس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے محض اپنی فکر ہی کوششوں سے دریافت کی ہے وہ چند صدیوں پہلے قرآن نے چیستانوں اور معموں کی شکلوں میں قرآن نے دنیا کے کانوں میں پھونک دی تھی جو صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں

نہیں آئی، یہاں تک کہ تیرہ سال بعد موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوئے اور انہوں نے یہ معنے حل کر دیئے، اسی قسم کی تفسیرات تفسیر بالرائے میں داخل ہیں جس پہ وعید آئی ہے۔

کلامیات اور تصوّف کے رنگ میں قرآن کی تفسیر علم کلام اور تصوف کے رنگ میں سینکڑوں اصطلاحات پیدا ہوئیں۔ اور چاہے وہ اپنی جگہ کتنے ہی درست کیوں نہ ہوں لیکن قرآن کی تفسیر میں ان اصطلاحات کی ایسی ناموزوں آمیزش کی گئی جسکی وجہ سے قرآن کی فطری اسلوب کی ساری خوبی و دلآویزی گم ہوگئی۔ فلسفۂ قدیم ہو یا جدید، علم کلام ہو یا تصوّف اصطلاحی جدید ان کے ذریعہ قرآن کو جو معنے پہنائے گئے ان کے کافی حصّے کو اگر تفسیر تسلیم کیا جائے تو تفسیر بالرائے ہے۔ تفسیر بالرائے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں عقل و فہم کو دخل نہ دیا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر اس تصوّر کے تحت نہ کی جائے کہ خود قرآن کیا کہتا ہے۔ بلکہ اس اندازِ فکر کے تحت قرآن کا مطالعہ کیا جاتا ہے کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی رائے پر قرآن کے الفاظ کو کس طرح فِٹ کیا جاسکتا ہے، چاہیئے کہ ان الفاظ کے فِٹ کرنے میں توڑ مروڑ سیاق سباق فہم سلف قرآن و دلائل کی خلاف ورزی کیوں نہ ہونی ہو۔ ایسا کرنے سے جس تشریح قرآنی کو تفسیر کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ مرادِ الٰہی اور قرآن کی واقعی تفسیر تو نہیں کہلائی جاسکتی بلکہ تفسیر مرادِ نفس یا اپنی خواہش وقت کی تشریح و تفسیر کہلائے جانے کی مستحق ہے جسکو ہدایت ربانی کا مقام حاصل نہیں بلکہ ضلالتِ فکری کا مقام حاصل ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن نے ان بلیغ الفاظ میں چودہ سو سال قبل بیان کیا ہے۔ یضل به کثیراً ویهدی به کثیراً۔ یعنی بعض لوگ قرآن کی غلط تفسیر بلکہ تحریف کرکے بہت سے لوگوں کو راہِ حق سے قرآن کے نام پر ہٹا کر گمراہ کریں گے اور بہت سے لوگ صحیح تفسیر کرکے لوگوں کو ہدایت پر لائیں گے۔

اسرائیلیات ابتداء سے نومسلم اہل کتاب بالخصوص یہود کے قصص و روایات پھیلنا شروع ہوگئے اور پھر ان کو مستند و قابلِ اعتبار ثابت کرنے کیلئے ان کا سرا کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا تاکہ انکو تفسیر سلف سمجھا جائے محققین مفسرین اسلام نے ہمیشہ ان بیہودہ روایات کو چھانٹنا چاہا اور اس سلسلے میں سب سے بڑھ کر حصہ تفسیر ابن کثیر نے لیا، جنہوں نے احادیث کے التزام کے ساتھ نقد روایات کا فرض بھی ادا کیا اور اسرائیلی روایات کو ایک ایک کرکے جسم تفسیر سے نکال دیا۔ مستشرقین یورپ نے قرآن اور اسلام پر اعتراض کرنے کیلئے ان ہی بیہودہ روایات کے حربہ سے کام لیا اور کتاب و سنت کے حقیقی مقاصد و علوم سے بے خبر طبقہ کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا۔

بہرحال فہم قرآن کے واسطے مفسر کے لئے حسب ذیل اصول کی رعایت بے حد ضروری ہے تاکہ

تفسیر قرآن کے سلسلے میں تحریف اور تفسیر بالرائے کی گمراہ کن راہ سے بچ سکے۔

اصولِ تفسیر

۱۔ ایک یہ کہ قرآن نے ایک ہی مقصد کو متعدد مواضع میں بیان کیا ہے، لہذا ایک موضع کی تفسیر میں قرآن حکیم کے ان تمام مواضع سے مدد لینا چاہیئے جہاں اسی قسم کا مضمون آیا ہے تاکہ صحیح مطلب واضح ہو جائے۔ اسی کو تفسیر القرآن بالقرآن کہا جاتا ہے۔ اتقان فی علوم القرآن میں ان کی بیشمار مثالیں ہیں، ہم اختصار کی خاطر ان کو ترک کرتے ہیں۔ ان امثلہ کا کافی ذخیرہ تفسیر ابن کثیر میں موجود ہے۔

۲۔ قرآن کا صحیح مطلب معلوم کرنے کے لئے سابق اور لاحق آیات یعنی سیاق وسباق کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جو تفسیر سیاق وسباق کے مطابق ہو وہی صحیح تفسیر ہے اور اس کے سوا بے جوڑ اور غلط تفسیر بلکہ تحریف ہوگی اسکی جانچ کے لیے بھی ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی کا مطالعہ کیا جائے۔

۳۔ مفرداتِ قرآن کے مختلف معانی ہوتے ہیں اور قرآن کے ہر موضع میں ہر معنیٰ کا مراد لینا درست نہیں بلکہ قرائن قرآن کے تحت ایک لفظ کا ایک مقام میں ایک معنیٰ مراد ہوتا ہے۔ اور دوسری جگہ دوسرا معنیٰ اس لئے صرف عربی لغت کی مدد سے معنیٰ فٹ کرنا درست نہیں، مفرداتِ قرآن کی صحیح مراد کے تعیّن کے لئے مفردات القرآن امام راغب کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ انتخاب معنیٰ میں غلطی نہ ہو بالخصوص ایسے دور میں جبکہ زبان قرآن کی مہارت اور ذوق بالکل مفقود ہے۔

۴۔ تفسیر قرآن کی صحت کے لئے حدیث اور سنتِ نبوی کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن کا صحیح علم صاحب قرآن کو ہے۔ اور قرآن کو صاحبِ قرآن کے ارشادات اور تشریحات سے الگ کر دینا بے راہ روی ہے۔ تفسیر قرآن سنّت واحادیث کے آئینہ میں دیکھنے کے لئے سب سے بہتر تفسیر ابن کثیر ہے، جس میں تفسیر قرآن کا ذخیرۂ احادیث تنقید کے ساتھ مذکور ہے۔

۵۔ تفسیر قرآن کیلئے علم الآثار کی بھی ضرورت ہے تاکہ قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں صحابہ کرامؓ تابعین اور تبع تابعین کے صحیح اور مستند اقوال معلوم ہو سکے کیونکہ یہی حضرات بہ نص قرآن وحدیث مقبول عند اللہ ہے۔ اس لئے ان کی تفسیر بھی اللہ کی مقبول اور پسندیدہ ہے۔ اور ہماری نسبت اس میں غلطی کا احتمال بہت ہی کم ہے بقول امام شافعیؒ کے "اجتہادہم فوق اجتہادنا" کہ دین کے معاملہ میں ان کی ذاتی رائے بھی ہماری رائے سے بڑھ کر ہے۔

۶۔ مفسّر کیلئے قرآن کے قراءت مختلفہ یعنی مختلف قراء کے مختلف طرز تلفظ سے بھی واقفیت

ضروری ہے کہ ان سے بھی مرادِ الٰہی کے تعین میں مدد لے جاسکتی ہے۔

۷۔ قرآن عربی زبان میں ہے، اس لئے مفسر کیلئے زبان عربی کے جملہ قواعد و قوانین سے واقفیت ضروری ہے۔

۸۔ تقویٰ اور طہارت نفس بھی مفسر کیلئے ضروری ہے۔ تاکہ مفسر کو مُنزّل قرآن یعنی اللہ رب العالمین سے ربط ہو تاکہ کلام الٰہی کی تفسیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے فیضان کے تحت قرآن کے صحیح مقصد کا اس کے دل پر القاء ہو۔ لایمسّہ الا المطہرون۔ کے تحت جسطرح ناپاک ہاتھ کو ظاہر قرآن سے لگانا اور اسکو چھو جانے کی اجازت نہیں اسی طرح ناپاک دل و دماغ کو معارف و حقائق قرآن تک جو باطن قرآن ہے رسائی ممکن نہیں ظاہر قرآن کو وہی ہاتھ پہنچتے ہیں جو ظاہراً پاک ہوں اور باطن قرآن یعنی قرآن کے حقائق و اسرار کو وہی دل و دماغ پہنچتے ہیں جو اندر سے پاک اور طاہر ہوں یعنی پاک حقائق و اسرار کے لئے پاک دل و دماغ کی ضرورت ہے۔

۹۔ توافق اصول و روح اسلام :۔ تفسیر قرآن کے وقت یہ خیال رہے کہ کوئی ایسی تفسیر نہ کی جائے کہ اصول اسلام اور روح دین کے خلاف ہو تاکہ قرآنی تشریح قرآن کی بنیادی مقصد کی ضد اور توڑ ثابت نہ ہو۔

۱۰۔ توافق تعامل :۔ قرآن یا اسلام صرف ایک نظری مذہب نہیں جو صرف افکار و نظریات کا مجموعہ ہو اور خارجی دنیا میں اس کا کوئی وجود نہ ہو بلکہ یہ ایک عملی مذہب ہے جو چودہ سو سال سے مسلسل سطح زمین پر مسلمانوں کی عملی زندگی میں پیوست ہو کر موجود چلا آیا ہے۔ اس لئے ایسی تفسیر کتاب و سنت کی قابل اعتبار نہیں جو مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی تاریخی تعامل کے خلاف ہو۔

ان دس اصول تفسیر کے پیش نظر حق اور باطل تفسیر کا امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس قدر بصیرت ہر شخص کو فہم قرآن میں پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ فوراً تفسیر بالرائے اور غلط تفسیر کو الفاظ قرآنی کی نشست اور بیجا تکلفات کی کجی سے معلوم کر لیتا ہے۔

تفسیر کی مختلف اقسام | تفسیر کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ نقلی تفسیر ۲۔ عقلی تفسیر نقلی تفسیر کی دو قسمیں ہیں، معنوی تفسیر مثلاً تفسیر کسائی تفسیر ابوعبیدہ، تفسیر زجاج یہ تفسیریں مفردات قرآن کی لغوی معانی کی تحقیق کیلئے لکھی گئی ہیں۔ امام بخاری رحؒ نے صحیح البخاری کی کتاب التفسیر میں ان حضرات کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے۔ ۲۔ اثری تفسیر یعنی احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین و تبع تابعین کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرنا اس سلسلے کی تفاسیر میں تفسیر ابن جریر تفسیر ابن ابی حاتم تفسیر حاکم تفسیر ابن کثیر تفسیر درمنثور

ہیں جن میں جلیل القدر تفسیر ابن جریر کی تفسیر ہے۔ اور تنقید روایات کے لحاظ سے ابن کثیر کی تفسیر سب سے اکمل ہے، اور جامعیت کے لحاظ سے درمنثور سب سے فائق ہے، لیکن ضعیف روایات اس میں موجود ہیں معالم التنزیل بغوی کی روایات اور فقہ دونوں کی جامع ہے، نکات بلاغیہ کے لحاظ سے تفسیر کشاف کو بلند مقام حاصل ہے۔

عقلی تفسیر اس سلسلے میں علم کلام اور قدیم فلسفہ کے اعتبار سے تفسیر کبیر امام رازی اور تفسیر روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادی کا مقام بلند ہے، فلسفہ جدیدہ کے اعتبار سے تفسیر طنطاوی جوہری تفسیر مفتی عبدہ و علامہ رشید رضا، اہم تفسیریں ہیں۔ لیکن دونوں کے بعض مضامین قابلِ تنقید ہیں، فقہی لحاظ اور روایت و تصوف کے لحاظ سے تفسیر مظہری یکتا ہے۔

سب سے بڑی ضخیم تفسیر علامہ عبدالسلام قزوینی کی تفسیر حدائق ذات بہجۃ ہے جو بقول صاحب کشف الظنون پانچ سو جلدوں میں ہے۔ اور سب سے چھوٹی تفسیر جلالین ہے۔

بقیہ: شیخ الازہر سے انٹرویو

عبدالعزیز مرحوم نے حجاز کو واپس حاصل کر لیا تو اس نے یہ نہیں پوچھا کہ شریعت کی کس بات پر پہلے عمل کریں گے بلکہ اس نے دفعتہً پوری شریعت کو نافذ کر دیا چند دنوں میں حالات درست ہوگئے۔ ہم کو معلوم ہے کہ جب حجاج کرام یہاں آتے تو ان کو اپنی جانوں اور مال و دولت کے بارے میں قتل اور غارت گری سے واسطہ پڑ جاتا، مگر جب سلطان عبدالعزیز مرحوم نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی اور شریعت جاری کر دی تو حالات درست ہوگئے اور مکمل امن ہوا پھر وہ لوٹ مار کرنے والے راستے میں کسی پڑی ہوئی چیز کو دیکھ کر جلد واپس چلے جاتے تاکہ چوری کی تہمت میں نہ پھنس جائیں۔ سعودی عرب میں مکمل امن موجود ہے۔ جو کسی دوسرے ملک میں نہیں۔ یہ اسلامی شریعت کی وجہ سے ہے جو یہاں جاری ہے۔

جناب مضطر عباسی ایم۔ اے

زیڈ۔ اے۔ سلہری اور علمائے حق کی مخالفت ؟

سلہری تاریخ کے آسمان پر آخر کب تک تھوکنے کی سعی کرتے رہیں گے۔

ہمارے ہاں ایک خاص ذہن کے لوگ علمائے حق کی مخالفت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی فکر میں ہیں۔ یہ لوگ کوئی نہ کوئی بات نکال لاتے ہیں، جس کو عنوان بنا کر علمائے حق کو گالیاں دینے اور انہیں پاکستان کے قیام کا مخالف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگ معاشرے کے مختلف شعبوں میں نظر آتے ہیں۔ کہیں صحافت کی مسند سجاتے اور کہیں درس و تدریس کا دھندا چلاتے ہیں، سیاست کے بازار میں بھی منڈی کے بھاؤ کے ساتھ ساتھ متحرک نظر آتے ہیں۔ اور نام نہاد دانشوروں میں بھی اپنی ساکھ جمائے بیٹھے ہیں۔ ان کا مذہب سے واجبی سا تعلق بھی نہیں نماز روزہ ان کے ہاں سالہا سال کی پرانی باتیں ہیں۔ شکل و صورت میں مغرب کے دہریئے اور رسم و رواج میں بھارت کے برہمن معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن علمائے حق کی مخالفت اور انہیں گالیاں دینے میں ایسا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں کہ گویا دینِ اسلام، سنّتِ محمدیؐ اور اسلامی اقدار و روایات کے حامل اور پرستار صرف یہی لوگ ہیں۔

یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔؟ میری ناقص رائے کے مطابق یہ لوگ ۱۹۴۷ء سے پہلے برطانوی سامراج کے زر خرید غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے ملّت فروشی اور وطن سے غدّاری کے ناقابلِ معافی جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ ان لوگوں نے تحریکِ آزادی میں نہ صرف یہ کہ حصّہ نہیں لیا بلکہ اسکی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ ان کے ضمیر مردہ اور دل سیاہ ہیں۔ اب نئی نسل کے نوجوان سکولوں کالجوں کے طلبہ اور سیاسی جماعتوں کے نوجوان کارکن ان سے پوچھتے ہیں کہ جب علمائے حق دار و رسن کے مراحل سے گذر رہے تھے۔ جب کالا پانی اور بحرِ ہند کے جزیروں میں آزادی کے جانباز سپاہی تڑپ تڑپ کر جانیں قربان کر رہے تھے۔ جب مالٹا میں غازیانِ صف سامراج سے گستاخی کے جرائم میں سزا کے دن کاٹ رہے تھے۔ جب ملّتِ اسلامیہ کی دیرینہ یادگار خلافتِ عثمانیہ

کے بچاؤ کی کوشش میں آزادی کے پروانے دیوانہ وار جانیں لڑا رہے تھے، اور جب ہجرت کی تحریک چلا کر حریت پسند برطانوی اقتدار کی جڑیں کاٹ رہے تھے۔ اس وقت آپ، آپ کے آباؤ اجداد، آپ کے سیاسی لیڈرانِ کرام اور آپ کے پیشوایانِ محترم کہاں تھے۔؟ کیا کر رہے تھے۔؟ غرض جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کون کیا کر رہا تھا۔ اور تم کس کے ساتھی اور کس کے مخالف اور دشمن تھے۔؟ تو اس سوال کا جواب نہ پاکر اپنی خفت دور کرنے اور چہروں کی سیاہی دھونے کیلئے یہ لوگ ایک نیا اندازِ گفتگو اختیار کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ :

"ہم علماء کے ساتھ نہ تھے اس لئے کہ علماء کی راہ غلط اور ان کی سوچ نامکمل اور ان کی فکر درست نہ تھی۔"

ایسا کہتے ہوئے انہیں احساس نہیں ہوتا کہ پوچھنے والے کا مقصد علماء کی سوچ اور فکر کے بارے میں ان لوگوں کی رائے معلوم کرنا نہیں بلکہ ان کی ذات کے بارے میں دریافت کرنا ہے۔ آپ کا رویہ اور طریق کار کیا تھا۔ آپ انگریزوں کے نمک خوار ملازم کیوں تھے۔ آپ نے وطنِ عزیز کی آزادی اور استقلال کیلئے کوشش کیوں نہ کی۔ آپ نے وقتی اور ذاتی مفادات کو دائمی اور قومی مفادات پر ترجیح کیوں دی۔؟

حاصل کلام یہ کہ یہ لوگ جو آجکل علمائے حق کے خلاف ایک مہم چلائے ہوئے ہیں۔ اور موقع و بے موقع ان کی تنقیص کرتے اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ان کا مقصد اپنی کمزوریوں بلکہ غداریوں اور ملت فروشیوں پر پردہ ڈالنا اور نئی نسل کے نوجوانوں کے سامنے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ آج کالج کا ایک نوجوان پوچھتا ہے۔ صاحب بتائیں سر سید ہمارے سیاسی راہنما تھے۔ آغا خان مرحوم ہمارے لیڈر تھے۔ علامہ اقبالؒ ہمارے ہیرو تھے۔ سر سکندر ہمارے محترم بزرگ تھے۔ فضل حسین ہمارے قائد تھے، لیکن ان میں سے کسی نے آزادی کی خاطر جیل نہیں دیکھی۔ کوڑے نہیں کھائے، جائیداد ضبط نہیں کرائی۔ امریکہ۔ فرانس۔ روس۔ چین۔ کوریا۔ ویت نام اور بیشمار عرب اور افریقی ممالک کے عوام نے سامراج سے آزادی حاصل کرنے میں جان اور مال کی قربانیاں دی ہیں۔ ہزاروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ لینن اور سٹالین نے اپنی ہی قوم کے جابر حکمرانوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے سالہا سال تک خفیہ رہ کر زیر زمین تحریکیں چلائیں عدالتوں سے موت کی سزائیں پانے کے باوجود مفرور رہ کر کام کرتے رہے۔ ماؤ نے لانگ مارچ کیا تو قوم کو آزادی ملی۔ آخر ہمارے ان لیڈرانِ کرام نے اس قسم کی قربانیوں کے بغیر آزادی کیسے حاصل کر لی ہے۔ کیا برطانوی سامراج عدل و انصاف کے تقاضوں کا پابند تھا، کہ جونہی ان لوگوں نے دلائل سے برصغیر پاک و ہند کے حقِ حریت و استقلال کو ثابت کیا تو انہیں آزادی دیدی۔

اگر ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ایسا ہوا کرتا ہے۔ بلکہ آزادی کے حصول کے لئے قربانیاں دی جاتی ہیں۔ بے گناہ عوام سے پہلے لیڈروں اور راہنماؤں کو دار ورسن کے مراحل سے گذرنا ہوتا ہے۔ اور یوں خونِ صد ہزار انجم کے بعد نمودِ سحر کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور ہمیں اپنے لیڈرانِ کرام میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس نے جان ومال کی قربانی بجائے خود آزادی اور استقلال کے مطالبے پر دستخط بھی کئے ہوں اور جب صورتِ حال یہ ہے، تو چالیس کروڑ انسانوں کی آزادی کا راز کیا ہے، وہ کون سا معجزہ تھا جس نے برِّصغیر پاک وہند کو آزادی دلادی ہے۔

کالج کا استاد اور پروفیسر اپنے عزیز شاگرد کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اور اگر دیگا تو اسے صاف گوئی سے کام لیکر اس حقیقت کا اقرار کرنا ہوگا۔ کہ ہمارے نصاب میں تاریخ کے عنوان اور خاص کر تاریخ آزادیٔ وطن کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اس میں حقیقت کو مسخ کرنے کی دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ یہ استاد اور پروفیسر مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنے ذہین اور نکتہ داں شاگرد کو نصاب کی کتاب بند کر کے زبانی درس دے اور آخر میں یہ کہہ دے کہ برخوردار یہ جو کچھ میں نے کہا ہے، اس کا امتحان سے کوئی تعلق نہیں۔ امتحان تو اسی کتاب سے ہوگا جس میں تاریخ کے آسمان پر تھوکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد نیازمند (راقم) قارئینِ کرام کو روزنامہ نوائے وقت میں زید۔ اے سلہری کے نام سے شائع ہونے والے ایک مضمون کی غلط بیانیوں اور بہتان تراشیوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہے۔ سلہری صاحب کے مضمون کا عنوان ہے "محکوم اسلام، مخلوط اسلام اور مکمل اسلام" ۶ نومبر ۱۹۷۶ء کے پرچے میں اس مضمون کی آخری قسط شائع ہوئی ہے۔ سلہری صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا حسین احمد اور دوسرے نیشلسٹ علماء نے جو نظریہ پیش کیا۔ اس سے دو خدشات ابھرتے تھے۔ یا تو علماء نظام اسلام سے نماز روزے کے سوا اور کچھ مراد نہیں لیتے یا انہیں اس امر کا کوئی درک نہ تھا کہ نظام اسلام قوتِ نافذہ کا متقاضی ہے۔ اور جب حکومت اکثریت اور غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہو تو نظامِ اسلام کے لئے قوتِ نافذہ کہاں سے حاصل ہوگی۔ اگر یہ خدشہ بے بنیاد تھا کہ علماء اسلام کو صرف نماز روزے تک محدود سمجھتے تھے۔ تو پھر یہ خدشہ درست تھا کہ انہیں دورِ حاضر کی قومی سیاست کا پتہ نہ تھا۔"

سلہری صاحب کی اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ:

ا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار میں دو خامیوں میں سے ایک ضرور تھی۔

۲۔ یا تو مولانا اور آپ کے ساتھی صرف نماز اور روزے کو دینِ اسلام خیال کرتے تھے۔
۳۔ اور یا انہیں سیاسی شعور نہ تھا۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مدنی مرحوم اور آپ کے رفقاء نماز اور روزے کی اہمیت کے ساتھ ساتھ پورے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں تھے۔ اور آپ کی کوشش صحیح سمت اور درست راہوں پر تھی، آپ کو سیاسی شعور تھا۔ اور بہت سوں کے مقابلے میں آپ کی سیاسی بصیرت زیادہ واضح اور روشن تھی۔

گزشتہ ایک صدی کے اخبارات رسائل کتابیں اور ملک کی سیاسی جماعتوں کا ریکارڈ اس حقیقت کا شاہدِ عادل ہے کہ حضرت مدنیؒ آپ کے اسلاف اور رفقاء کار ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے برِصغیر میں یہ آواز اٹھائی تھی کہ محض نماز اور روزے کی آزادی کا حاصل ہو جانا مسلمانوں کیلئے کافی نہیں۔ یہ وہ دور تھا جب سلہری صاحب جیسے قلم کار فرمایا کرتے تھے کہ انگریز بہادر کے زیرِ سایہ ہمیں نماز روزے کی آزادی ہے۔ ہم اذان کہہ سکتے ہیں اور اپنے مُردوں کو اسلامی آداب کے مطابق دفن کرنے کی ہمیں آزادی ہے۔ اس لئے اس حکومت کی مخالفت محض فساد اور شر انگیزی ہے۔ اور یہ لوگ جو کبھی خلافت کی تحریک چلاتے ہیں اور کبھی ہجرت کے نام پہ لوگوں کو برگشتہ کرتے ہیں، یہ فساد فی الارض کے عظیم جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ یقین نہ ہو تو سرسید کے مقالات اور تہذیب الاخلاق کے اوراق پلٹ کر دیکھ لیں۔ گویا سلہری صاحب کا یہ الزام کہ حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار صرف نماز اور روزے کو اسلام تصور کرتے تھے، نہ صرف غلط ہے بلکہ وہ اپنے اس الزام کی زد میں آتے ہیں۔

رہا سیاسی شعور کا سوال سو حالات نے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار کی سیاسی رائے درست تھی۔ اور دوسرے لوگ جس بات کے مدعی تھے وہ ٹھوس بنیادیں نہیں رکھتی تھی۔ سلہری صاحب شکایت کرتے ہیں کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ نہیں کیا گیا اور حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار فرماتے تھے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے علی گڑھ نہیں دیوبند جیسے مراکز کی ضرورت ہے۔ اور آج حالات نے حضرت مدنیؒ کی اس بات کی تصدیق کر دی کہ علی گڑھ جیسے مراکز اسلام کے نفاذ میں بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ بھلا جو لوگ انگریزوں سے آزادی کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتے تھے ان سے علماء حضرات یہ توقع کیسے کر سکتے تھے کہ یہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی اہلیت رکھتے ہیں۔ بات پھر لینن، سٹالین اور ماؤ تک جا پہنچی، اگر ان لوگوں نے

اپنے اپنے ملکوں میں صرف معاشی تبدیلی لانے کیلئے بے پناہ قربانیاں دی ہیں تو دینِ اسلام جسکی حدود اور وسعتیں سوشلزم کے مقابلے میں کہیں گہری اور دور تک ہیں کے نفاذ کیلئے محض ایک قرار داد کا پاس کر دینا کافی نہیں تھا۔

آج کا نوجوان پوچھ سکتا ہے کہ پاکستان کی تحریک چلاتے اور انگریزوں سے آزادی کے لئے مؤدبانہ درخواست کرنے والوں نے پاکستان میں اسلام کے نفاذ اور اسلامی نظام کو چلانے کے لئے کارکن تیار کرنے میں کیا خدمات سرانجام دی ہیں۔؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ دنیا بھر کے اشتراکی لیڈروں نے اشتراکی حکومتوں کے قیام کے لئے انقلابی جد وجہد سے بھی پہلے ایسے کارکن اور ورکرز تیار کئے تھے جو انقلاب کے بعد ملک کی قیادت اور اشتراکی نظام کے نفاذ کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے، اور یہی سنت ہے ہمارے رسول اکرمؐ کی کہ آپ نے فتح مکہ تک کارکنان کی تیاری میں رات دن محنت فرمائی۔ اگر تحریک پاکستان کے لیڈروں نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کارکنوں کی تیاری کو ضروری نہیں سمجھا تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ان کی نظروں میں سیاسی اعتبار سے ملک کو آزاد کرانا تھا کہ پہلے یہ لوگ ملک اور خاص کر مسلمانوں کی غربت و افلاس کے خلاف کوشاں تھے۔ اور رہی بقول سلہری صاحب " اسلام کے نفاذ کے لئے قوتِ نافذہ " سو یہ زیرِ بحث بات نہ تھی۔

اس حد تک تو الزامی جواب تھا سلہری صاحب کے فرضی خدشات کا جو انہوں نے حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاءِ کار کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب آئیے حقیقت واقعی کی طرف سلہری صاحب اسلام کی ہمہ گیر قوت اور اسکی عالمگیر حیثیت سے ناواقف نظر آتے ہیں۔ انہیں صرف ان علاقوں میں اسلام نظر آتا ہے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، شاید وہ آج بھارت میں آباد دس کروڑ روس میں بسنے والے چھ کروڑ اور چین میں آباد سات کروڑ مسلمانوں کے بارے میں بدظن ہیں کہ خدانخواستہ ان لوگوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان تین قسم کے علاقوں میں آباد ہیں ایسے علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت اور حکومت ہے۔ ایسے علاقے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لیکن حکومت نہیں۔ اور ایسے علاقے جن میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اسلام ایسے علاقوں سے ہجرت کی تعلیم دیتا ہے، جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور انہیں شعائرِ اسلامی پر عمل کی اجازت اور آزادی حاصل نہیں۔ ورنہ اسلام ہجرت کو پسند نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے کہ مسلمان دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائیں اور اپنے اعمال و کردار سے نیز فکر و نظر سے خلقِ خدا کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔ کیا بھارت میں تمام غیر مسلمانوں کو ایک قوم مان کر ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی اقلیت کا نعرہ لگانا اور پھر مسلمانوں کی اقلیت کو الگ

وطن کے قیام اور ایک گونہ ترک وطن کی رائے دینا بہتر تھا یا یہ بہتر تھا کہ انہیں کہا جائے کہ پورے ملک میں اپنے اعمال، کردار، اخلاق، برتاؤ نیز فکر و نظر میں تبدیلی کے ذریعے غیر مسلم اقوام یا قبائل کو اسلام کی طرف دعوت دیں۔

اگر لینن اور سٹالین روس کے بیس کروڑ انسانوں کو بالشویکزم کی دعوت دینے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر ماؤ چین کے ستر کروڑ عوام کو اشتراکیت کی طرف بلا سکتا ہے اور اگر کاسترو امریکہ کے قریب رہ کر اپنے ملک کے عوام ہی کو نہیں پورے لاطینی امریکہ میں سوشلزم کی تبلیغ کر کے انہیں سوشلسٹ بنا سکتا ہے تو کیا مسلمان بھارت کے عوام کو جو اپنے اپنے مذاہب سے پہلے ہی جان چھڑانے کی کوشش میں تھے، اسلام کے عادلانہ نظام کی طرف دعوت نہیں دے سکتے تھے۔؟ اور کیا وہ اسلام جس کی مقناطیسی قوت نے برصغیر کے کروڑوں انسانوں کو اپنے اندر جذب کیا۔ اب ختم ہو گئی تھی۔ اور باقی ماندہ اقوام اور قبائل کا اسلام کی طرف آنا ناممکن ہو چکا تھا۔ اور اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تھا، بلکہ اسلام اپنی پوری قوت اور صلاحیتوں کے ساتھ زندہ ہے، تو ملک تقسیم کر کے اسلام کے نفاذ کی تدبیر سوچنے کی نسبت پورے برصغیر میں اسلام کی دعوت دیکر مسلمانوں کی اکثریت پیدا کر لینے کی تجویز زیادہ معقول اور مناسب تھی اور یہی تجویز حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار کے پیشِ نظر تھی۔

سلہری صاحب لکھتے ہیں ؛

"علامہ (اقبال) نے فرمایا کہ اگر ایک قوم مختلف مذاہب کے پیروؤں سے عبارت ہو گی تو اسے متحد رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہو گا کہ شامل ہونے والے قومی اجزاء اپنے اپنے مذہب کو پس پشت ڈال دیں کہ ان کا احساس اور ان پر عمل تشتت و افتراق بھی پیدا کرے گا۔"

یہ اس علامہ اقبال کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے جس نے لکھا ہے ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

کیا سلہری صاحب علامہ اقبال کے حوالے سے روس اور چین کے مسلمانوں کو یہ سبق دے سکتے ہیں کہ:

۱۔ آپ لوگ اپنے اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے پاکستان چلے آئیں۔

۲۔ اپنے اپنے علاقوں میں علیحدہ حکومتیں قائم کر لیں۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر

۳۔ اپنے اپنے مذہب کو پس پشت ڈال دیں۔

سلہری صاحب یا تو کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنے ماحول سے باہر دیکھنے کی صلاحیتوں سے محروم

ہیں۔ اور یا جان بوجھ کر جاپان سے امریکہ تک کے ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کو مسلمان ہی تصور نہیں کرتے ہیں یا ان کے وجود سے انکار کرتے ہیں۔

اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے مسلمان برصغیر میں تمام غیر مسلم اقوام یا قبائل کے مقابلے میں تو اقلیت میں ضرور تھے، لیکن فرداً فرداً کسی مذہب کے ماننے والوں کے مقابلے میں مسلمان اقلیت میں نہیں تھے۔ سلہری صاحب اور ان کے ساتھیوں نے برصغیر کے تمام غیر مسلم اقوام کو ہندو سمجھ کر اور پھر ہندو سے مراد ایک مخصوص مذہب تصور کرکے علماء حق کے مقابلے میں اپنی سیاسی بے بصیرتی کا ثبوت دیا ہے۔ ہندو ایک قوم ہے، ایک نسل ہے، ایک ذات ہے۔ یہ کوئی ایک مذہب نہیں ہندو لوگ درجنوں مذاہب میں بٹے ہوئے لوگ ہیں، ان میں اختلافات کی نوعیت، مسلمان اور غیر مسلمان میں اختلافات کی نوعیت سے کسی طرح مختلف نہیں یہ کسی کتاب، کسی نبی رسول یا رشی، کسی بت، مندر یا دیوتا پر متفق نہیں ہیں۔ ان میں بہت سے فرقے اور گروہ ایسے ہیں جو از روئے عقائد و نظریات مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ ایک برہمن مسلمان سے اس قدر نفرت نہیں کرتا جس قدر اسے شودر سے نفرت ہے ایک مسلمان شودر کو گلے لگا سکتا ہے، اس کے دکھ درد میں شریک ہوکر اس کو اپنے اخلاق اور کردار سے متاثر کرسکتا ہے، لیکن ایک برہمن کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ یہ ہماری نالائقی اور بے ہمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ کہ ہم نے سکھوں کو ہندوؤں سے ملا دیا، اور اس طرح جس مذہب کا بانی گرونانک ہندو مت چھوڑ کر مسلمان ہوگیا تھا یا اسلام کے قریب آگیا تھا، ہم نے اس کے ماننے والوں کو دھکے دیکر ہندوؤں کی طرف پھینک دیا۔ اور پھر اپنی اقلیت کا رونا رونے لگے۔

سلہری صاحب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان میں ایک سو کے قریب مذاہب کے ماننے والے چالیس کروڑ انسان آباد تھے ان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی یعنی سب سے زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ ہم مسلمان اس ملک کے عوام کو اسلام کی دعوت دے کر حلقہ بگوش اسلام بنا سکتے تھے۔ اگر یہ لوگ آج دہریت کی طرف جاسکتے ہیں تو ہم دعوت دیتے تو اسلام کی طرف بھی آسکتے تھے۔ اور ہم ان مذاہب کے لوگوں کو ایک ایسے نظام میں شریک کرسکتے تھے جس میں رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کو شریک فرمایا تھا۔

سلہری صاحب یا تو پرلے درجے کے احمق ہیں نہیں تو وہ جان بوجھ کر عوام کو دھوکے میں رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حضرت اقبالؒ کا نام لیکر لکھتے ہیں:

علامہ نے فرمایا کہ مولانا نے مسلمانوں کے سامنے دو غلط اور خطرناک نظریئے رکھے ہیں۔

ایک یہ کہ مسلمان بحیثیت ہندی قوم ملتِ مسلمہ سے مختلف تشخص کے حامل ہیں۔ دوسرے قوم کی حیثیت سے انہیں ہر غیر قومی چیز بشمول مذہب کو تیاگ کر ہندوستانی قومیت میں ضم ہو جانا چاہیئے۔"

جن لوگوں کو علمائے حق کی صحبت نصیب ہوئی ہے، اور جن لوگوں نے حضرت مدنیؒ مرحوم کو دیکھا ان کی باتیں سنی یا آپؒ کی تالیفات و تصانیف کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ جن لوگوں کو تحریک آزادی میں شریک جماعتوں کے بارے میں معمولی سی واقفیت بھی ہے وہ سلہری صاحب کی اس غلط بیانی اور افترا پردازی کے خلاف دل کی گہرائیوں سے صدائے احتجاج بلند کریں گے کہ گویا حضرت مدنیؒ نے مسلمانوں کو مذہب کے ترک کر دینے کی رائے دی تھی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اقبالؒ نے حضرت مدنیؒ کے بارے میں اس قسم کی رائے کا اظہار ہی نہیں کیا اور اگر خدانخواستہ اقبال نے ایسا کہا ہے تو موصوف نے بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اقبال شاعر تھا قادر الکلام شاعر تھا، فلسفی تھا۔ اس کے خیالات میں اچھائی کا عنصر غالب ہے، لیکن اقبال کو یہ حق ہرگز ہرگز نہیں دیا جا سکتا کہ وہ حضرت مدنی جیسے ولی اللہ کے بارے میں ایسی باتیں بیان کرے۔ ویسے ہمیں یقین ہے کہ اقبال نے ایسی عبارت ہرگز نہیں کی اور سلہری صاحب نے حضرت مدنیؒ پر الزام تراشی کے ساتھ ساتھ اقبال کے حق میں زیادتی اور بہتان تراشی سے کام لیا ہے۔

مولانا مدنیؒ تو خیر ایک بلند پایہ عالمِ دین اور بزرگ تھے۔ آپ کی دینی اور سیاسی بصیرت کی ایک دنیا قائل ہے، آپ کے کردار اور اسلام دوستی کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔ یہ باتیں جو سلہری صاحب نے اقبال کا نام لیکر حضرت مدنیؒ کیطرف منسوب کی ہیں دیوبند کے کسی طالب علم کے بارے میں بھی ایسا تصور نہیں کیا جا سکتا، جن کا اٹھنا بیٹھنا دین تھا۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے مسلمانوں کو مذہب تیاگ دینے اور اسلام چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اگر جھوٹ نہیں تو پھر جھوٹ نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔

سلہری صاحب نے آگے چل کر قوم اور ملت کے مسئلے پہ گفتگو کرنے کی کوشش کی ہے، اور وہی بہکی بہکی باتیں کہی ہیں جو ایک عرصہ تک ہمارے مہربان طلوع اسلام والے پرویز صاحب کہتے چلے آئے ہیں۔ ہماری بار بار کی درخواستوں کے باوجود پرویز صاحب یہ نہیں بتا سکے کہ قرآن کریم میں قارون اور موسیٰ کو دین میں اختلاف کے باوجود ایک قوم قرار دیا گیا ہے، اور رسولِ اکرمؐ نے کفارِ مکہ کو اسلام دشمنی کے باوجود اپنی قوم کہہ کر مخاطب فرمایا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار کی مجال نہیں کہ پاکستان میں بسنے والے غیر مسلمانوں کیساتھ

ہمارا ایک ایسا تعلق اور ربط ضرور ہے، جو کسی دوسرے ملک میں آباد مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔ ہم ہزار مسلمانوں کے ہمدرد، خیر خواہ اور ہم خیال ہوں۔ بھارت میں آباد مسلمانوں کا ایک خاص تعلق بھارت میں بسنے والے کروڑوں غیر مسلمانوں کے ساتھ ہے جو ہمارے ساتھ نہیں۔ یہ تعلق جو ایک ملک اور ایک سیاسی وحدت میں بسنے والے لوگوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ اس کا نام قومی تعلق رکھ دینے سے اس ملک میں بسنے والے مختلف المذاہب لوگوں کی مذہبی حیثیت متاثر نہیں ہوتی پاکستانی قومیت سے مراد وحدت کا وہ تصور ہے جو پاکستان میں بسنے والے شہریوں (عوام) میں پایا جاتا ہے اور جدید سیاسی اصطلاح میں اس تعلق کو قوم " (NATION) کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم کے نزول کے عہد میں نسل خاندان اور خونی تعلق کے لئے قوم کا لفظ مستعمل تھا۔ اور اس تصور کی رو سے راجپوت ایک قوم ہیں۔ خواہ ان میں سے بعض کا مذہب دوسروں کے مذہب سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس ایک مذہب اور ایک نظریہ یا عقیدہ سے پیدا ہونے والی وحدت کو " ملت " کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ساری دنیا کے مسلمان ایک قوم نہیں بلکہ ایک ملت ہیں۔ یہی اصطلاح قرآنِ کریم نے استعمال کی ہے اور اسی کو حضرت مدنیؒ اور آپ کے رفقاء کار نے اپنایا ہے۔

" الحق " کے قارئین کرام سوچ رہے ہوں گے کہ آخر یہ سلہری صاحب ہیں کون اور انہیں علمائے حق سے دشمنی ہے تو کیوں ہے۔؟ اسی بارے میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس ذات شریف کے بارے میں ہفت روزہ " الفتح " کراچی کے ایڈیٹر وہاب صدیقی صاحب نے جو معلومات فراہم کی ہیں وہ انہی کے الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔ سلہری صاحب کے بارے میں وہاب صاحب " الفتح " کے شمارہ نمبر ۲۸ جلد نمبر ۷ میں فرماتے ہیں۔

> " سلہری کی پہلی بیوی غالباً میرٹھ کی رہنے والی تھیں ان سے سلہری کی ایک لڑکی بھی ہے۔ اب ان کی شادی ہو چکی ہے وہ بھی قادیانی ہے، اس کا شوہر بھی قادیانی ہے، بچے بھی قادیانی ہیں ان کے ماں باپ بھی قادیانی تھے جب سے قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار پائے بہت سے دوسرے قادیانیوں کی طرح سلہری بھی راتوں رات مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ستم بالائے ستم یہ کہ حج بھی کر آئے اور الحاج بن گئے "۔

میرا خیال ہے کہ وہاب صدیقی صاحب کے ان کلمات کے بعد علمائے حق سے سلہری صاحب کی دشمنی کی وجہ خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اور اپنی طرف سے کچھ لکھنا چنداں ضروری نہیں رہا۔

بلوچستان کا ذکری مذہب اور اسکی تاریخ

سید محمد جونپوری

سید محمد جونپوری بروز یکشنبہ ۱۴ر جمادی اوّل ۸۴۷ھ مطابق ۱۰ر ستمبر ۱۴۴۳ء کو جونپور میں پیدا ہُوا۔ صحیح ترین قول کے مطابق ۹۰۵ھ بمطابق ۱۴۹۹ء میں یعنے عمر کے ۵۷ سال گزرنے کے بعد مہدی موعود ہونے کا مدعی ۹۱۰ھ بمطابق ۵-۱۵۰۴ء کو فراہ میں ۶۳ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

مہدوی کُتب میں سید محمد جونپوری کا نسب نامہ اس طرح ہے :-

" سید محمد ابن سید عبداللہ ابن سید عثمان ابن سید خضر ابن سید موسےٰ ابن سید قاسم ابن سید نجم الدین ابن سید عبداللہ ابن سید یوسف ابن سید یحییٰ ابن سید جلال ابن سید اسماعیل ابن سید نعمت اللہ ابن موسےٰ کاظمؑ[1] "

ذکریوں نے اپنے مہدی کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے :-

" سید محمد مہدی موعود ابن سید عبداللہ بن سید عثمان بن سید خضر بن سید موسےٰ بن سید قاسم بن سید نجم الدین بن سید عبداللہ بن سید یوسف بن سید یحییٰ بن سید جلال الدین بن اسماعیل بن سید نعمت اللہ بن امام محمد باقر بن سید امام علی اصغر بن امام حسین بن شاہ مردان علی کرم اللہ وجہٗ[2] "

نسب نامہ ملاحظہ کیجئے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ حقیقت میں وہ جونپوری کے مہدی موعود ہونے کے قائل ہیں مگر ان کی آنکھوں پر محمد اٹکی کا پردہ پڑا ہُوا تھا اور جونپوری کے سلسلۂ نسب کو ملا محمد اٹکی کا سلسلہ نسب سمجھ رکھا تھا۔ اسی بنأ پر محمد اٹکی کو مہدی موعود تصوّر کرتے تھے۔ ذکری حضرات کے لیے یہ کوئی کم رسوائی ہے کہ کئی سو برس تک ان کو اپنے مہدی کے متعلق صحیح علم نہ تھا اگر تھا تو ایک ایسے ٹھگ اور مکار

---

[1] کحل الجواہر۔ بحوالہ مہدوی تحریک ۹ صـ ۳۶ -

[2] منقول از قلمی نسخہ شے محمد قصر قندی صـ ۱۱۹ تحریر ۱۰۳۷ ہجری -

کا جس نے سب کو اس دھوکے میں ڈال دیا تھا کہ مہدی موعود میں ہوں جس کے حسب و نسب کا کسی کو کوئی علم نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ لوگ اسی ایک محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلّم کو مانتے ہوتے جس کا نسب نامہ تو چھوڑیئے پیدائش سے لے کر وفات تک کا ہر فعل اور ہر ایک قول قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام میں ثبت ہے جس کا دوست و دشمن قائل ہے۔ آج تک دُنیا کے تمام مسلمان اسی کا کلمہ پڑھتے ہوئے آرہے ہیں۔ مگر ذکریوں نے حضرت خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑا۔ اس لیے آج دُنیائے اسلام کے سامنے رسوا ہو رہے ہیں اور رہیں۔

ع
وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

کیا جونپوری کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ تھا؟

مہدوی اور ذکری کتب میں اگرچہ جونپوری کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ لکھا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے اور یہ محض سازش کے تحت مشہور کیا گیا ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ آخر زمانے میں مہدی آئے گا اور میرا ہمنام ہوگا۔ یعنی اس کا نام محمد۔ اور باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔"

چونکہ جونپوری کو مہدی موعود بننے کا بڑا شوق تھا۔ لہٰذا دعوے سے قبل انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر والدین کے نام بدلا کر عبداللہ اور آمنہ مشہور کرائے۔ ورنہ انکے معاصرین یا قدیم مؤرخین میں سے کسی نے اس کے والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ نہیں لکھا ہے۔

جناب شمس الدین مصطفائی صاحب لکھتے ہیں :-

"سید محمد کے والد سید عبداللہ ایک گرامی قدر سید اور صاحب ارشاد بزرگ تھے حکومت شرقیہ کی طرف سے انہیں "سید خاں" کا خطاب ملا ہوا تھا۔ سید محمد کی والدہ بھی اسی خاندان کی ایک نیک خاتون تھیں جن کا نام آمنہ خاتون اور عرف آغا ملک تھا۔"

آگے خیر الدین الہ آبادی کے "جونپور نامہ" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"پدرش خواجہ عبداللہ از جانب سلطنت سیّد خاں خطاب داشت و مادرش آمنہ خاتون

کہ خواہر قوام الملک باشد۔ آغا ملک مخاطب بود ۔"

آگے میر علی شیر کی "تحفتہ الکرام" کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔ سید الاولیاء سید محمد الملقب میراں مہدی بن میر عبد اللہ المعروف بہ سید خان کہ نسبت بہ امام موسےٰ کاظم می پیوند ۔"

آگے "فرہنگ آصفیہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔ "میراں سید محمد جونپوری ، یہ بزرگ امام موسےٰ کاظم کی بارہویں پشت میں میر سید عبد اللہ عرف بڈھا صاحب متوطن جونپور کے صلب سے اور بی بی آمنہ کے پیٹ سے ۸۴۷ھ میں بمقام جونپور متولد ہوئے ۔"[1]

مندرجہ بالا ماٰخذ سے مہدیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جونپوری کے والد کا نام عبد اللہ اور سرکاری خطاب سید خاں اور عرفی نام سید بڈھا ہے اور والدہ کا نام آمنہ اور عرفی نام آغا ملک ہے ۔ اور ذکریوں کے قلمی نسخہ میں بھی ایسا ہی ہے ۔

مولانا محمد حسین آزاد دربار اکبری ص ۳۹ میں شیخ ابوالفضل سے آئین اکبری کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

"سید محمد جونپوری پسر سید بڈھ اویسی است ۔" سید محمد جونپوری سید بڈھ اویسی کے فرزند ہیں ۔"

مصطفائی صاحب نے گزیٹر کے حوالے سے لکھا ہے کہ :۔ ابوالفضل نے سید محمد جونپوری کی تاریخ میں لکھا ہے کہ سید محمد سید بڈھا کے فرزند تھے ۔"[2]

نیز "تردید نبوت قادیانی فی جواب النبوت فی خیر الامت" ص ۴۲ پر لکھا ہے کہ :۔ "تذکرۃ الصالحین وغیرہ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ سید محمد مہدی کو میراں سید محمد مہدی پکارتے تھے۔ اس کے باپ کا نام سید خان تھا ۔"

نیز "تذکرہ علمائے ہند" (از رحمان علی) ص ۴۴ پر لکھا ہے :۔ مؤلف سید المتاخرین لکھتا ہے کہ "سید محمد جونپوری ابن سید بدھ اویسی روحانیت کی فراوانی سے فیضیاب تھا ۔"

آگے مصنف کتاب مولوی رحمان علی صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"مولوی محمد زمان شاہ جہاں پوری نے مطلع الولایت ، شواہد الولایت ، پنج فضائل اور تذکرۃ الصالحین وغیرہ مہدویہ فرقہ کی معتبر کتابوں سے "ہدیہ مہدویہ" میں نقل کیا ہے کہ

---

[1] مہدوی تحریک ص ۳۵ سے ص ۳۶ تک ۔ [2] مہدوی تحریک ص ۶۹ ۔

یشیخ جونپوری جس کو مہدوی لوگ میراں سید محمد مہدی موعود کہتے ہیں کی ابتدا اس طرح ہے کہ جونپور میں ایک شخص سید خاں نام کا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک احمد اور دوسرا محمد۔ دوسرا ہی شیخ جونپوری ہے جو ۸۴۷ھ ، ۱۴۰۳ء میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام بی بی آغا ملک تھا۔ مہدیوں نے مہدویت کے دعوے کی وجہ سے اس کے والدین کا نام میاں عبداللہ اور بی بی آمنہ مقرر کیا (تذکرہ علمائے ہند ص۴۲۲)۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ جونپوری کے والد کا اصل نام سید خان اور عرفی نام بڈھ اویسی تھا۔ اور والدہ کا نام آغا ملک تھا۔ مہدویت کے دعوے کی وجہ سے والدین کا نام بدلایا گیا۔

اردو۔ دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور) میں ص۵۲۱ جلد ۷ پر لکھا ہے:۔

"الجونپوری: سید محمد الکاظمی الحسینی بن سید خان المعروف بڈھ اویسی اور بی بی آغا ملک۔ مہدی موعود ہونے کا مدعی۔ جونپور میں بروز یک شنبہ ۱۴ جمادی الاولی ۸۴۷ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۴۴۳ء کو پیدا ہوا۔ ہمعصر مآخذ میں سے کوئی بھی اُس کے والدین کا نام عبداللہ اور آمنہ نہیں بتاتا۔ جیسا کہ مہدوی مآخذ (مثلاً سراج الابصار دیکھئے مآخذ) میں دعوے کیا گیا ہے بظاہر اس کا مقصد یہ ہے کہ ان ناموں کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے والدین کے ناموں جیسا بنادیا جائے۔ تاکہ حدیث کی بعض پیش گوئیاں جونپوری پر ٹھیک آ سکیں۔ علی شیر قانع کی تحفۃ الکرام اور خیرالدین الہ آبادی کے جونپور نامہ میں ان ناموں کا ذکر ہے۔ یہ بہت بعد کی تالیفات ہیں اور اس لیے معتبر نہیں ہیں"۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں جونپوری سے علماء کا مناظرہ بھی ہوا ہے:۔

مؤلف تردید نبوّت قادیانی "تذکرۃ الصالحین وغیرہ کتب سے نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

"جب علماء نے اس سے سوال کیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ مہدی میرے نام اور میرے باپ کے نام سے موسوم ہوگا تو اس نے یہ جواب دیا کہ خدا سے پوچھو کہ اس نے سید خاں کے بیٹے کو کیوں مہدی کیا؟ دوم کیا خدا اِس بات پر قادر ہے کہ سید خاں کے بیٹے کو مہدی بنائے[1]"۔

---

[1] تردید نبوّت قادیانی ص۴۲ ۔ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ لاہور۔

مہدویوں کی معتبر کتاب "انصاف نامہ" جو ذکریوں کے نزدیک بھی معتبر ہے۔ اس واقعہ کو اس طرح لکھا ہے :-

"نقل است ملّایان پیش میراں گفتند کہ مہدی محمد بن عبداللہ باشد۔ نام پدر شما سیّد خان است۔ بعدہٗ حضرت میراں فرمودند کہ خدائے تعالیٰ را گوید کہ پسر سید خان را چرا مہدی کردی"۔ (انصاف نامہ ص۵)۔

اس طرح کی اور بھی روایتیں منقول ہیں۔ اس سے صاف ظاہر اور واضح ہے کہ جونپوری کے والدین کا نام عبداللہ اور آمنہ نہیں۔ ورنہ جونپوری یہ جواب نہ دیتا بلکہ ہزارہا لوگوں کو بطور گواہ پیش کرتا اور بھلا ایسی مشہور شخصیت کے والدین کے نام لوگوں سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں اور پھر جن ناموں کا عام تذکرہ ہوتا ہو اور ان کی شہرت ہو علماء کیوں کر مناظرہ کر سکتے ہیں۔ یقیناً یہ اصلی نام نہ تھے بلکہ اصل نام سید خان عرف سید بڈھ اویسی تھا جس پر علماء نے مناظرہ کیا۔ اور جونپوری کا جواب بھی عجیب مضحکہ خیز ہے۔ تب ہی مولانا محمد زمان شاہ جہاں پوری نے بالجزم لکھا ہے کہ یہ سب کام جونپوری کے اپنے ہیں :-

چنانچہ علامہ عبدالحیٔ بن فخر الدین "نزہت الخواطر"، ص۳۲۴ جلد۴ (مطبوعہ حیدرآباد دکن) لکھتے ہیں :-

"وقال ابو رجا محمد الشاہجہانپوری فی الھدیۃ المھدویۃ ان الجونپوری لم یمنع اصحابہ عن ذالک وبدل اسم ابیہ بعبداللہ واسم اُمہ بآمنۃ واشاعھا فی الناس وصنف کتاباً فی اصول ذالک المذھب"۔

یعنی ابو رجا محمد شاہجہانپوری نے اپنی کتاب ہدیہ مہدویہ میں کہا ہے کہ جونپوری نے اپنے پیروکاروں کو اس غلط مذہب سے منع نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے باپ کا نام (سید خان سے) بدلا کر عبداللہ رکھا اور ماں کا نام (آغا ملک سے بدلا کر) آمنہ رکھا اور یہی نام لوگوں میں مشہور کئے۔ اور انہوں نے اس جدید مذہب کے اصول پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ جونپوری کے باپ کا نام "یوسف" تھا۔ علّامہ عبدالحیٔ بن فخر الدین نزھۃ الخواطر ص۳۲۲، ص۲۸۶۔ ج ۴ پر لکھتے ہیں :- "السید محمد بن یوسف الجونپوری" الشیخ الکبیر محمد بن یوسف الحسینی الجونپوری المتمھدی المشھور بالھند الخ

یعنی شیخ کبیر محمد بن یوسف حسینی جونپوری جو کہ ہندوستان میں مہدی مشہور ہے۔

جناب محمود احمد فاروقی مترجم منتخب التواریخ۔ حاشیہ منتخب التواریخ میں

میں صـ۲۱۰ پر لکھتے ہیں :-

" سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے ان کے والد کا نام یوسف تھا الخ

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ جونپوری کے والد کا نام یوسف تھا یا نہیں ۔ کلام صرف اس میں ہے کہ ان کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ نہیں ۔ یہ محض ایک سازش کے تحت ایسا کیا گیا تھا کہ احادیث کی بعض پیشگوئیاں جونپوری پر ٹھیک آسکیں ۔

دعوائے مہدیت

سیّد محمد جونپوری کے متعلق تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ اُس نے "مہدی" ہونے کا دعوے کیا تھا ۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ "مہدی" ہونے سے اس کا مطلب کیا تھا ؟

جناب محمود احمد فاروقی مترجم منتخب التواریخ لکھتے ہیں :-

" سید محمد کے متعلق مشہور ہے کہ حالت سکر میں " انا مہدی " کا نعرہ لگایا تھا لیکن ہوش میں آنے کے بعد دعوے مہدیت سے توبہ کر لی اور مہدی موعود کے آنے کا اقرار کیا ۔ لیکن جہلاء نے ان کو مہدی موعود بنا لیا اور ایک نیا فرقہ مہدویت کے نام سے پیدا ہو گیا ۔ بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے جو اپنے آپ کو مہدی کہا تھا اس سے مہدی موعود مراد نہیں تھا ۔ بلکہ صرف ہادی اور رہنما کہنا چاہتے تھے ۔" (حاشیہ منتخب التواریخ صـ۲۱۰) (مشاہیر اسلام صـ۱۶۳) وغیرہ وغیرہ ۔

جنہوں نے سید صاحب کی دعوائے مہدویت کی تاویل کی ہے ان میں سے بعض نے تو محض حسن ظن کا ثبوت دیا ہے اور بعض کی تو سید صاحب سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور بعض نے تو صرف سیّد صاحب کا ابتدائی زمانہ دیکھا ہے ۔

یاد رہے کہ سید محمد جونپوری کی پیدائش ۸۴۷ھ بمطابق ۱۴۴۳ء میں اور وفات ۹۱۰ھ مطابق ۵ - ۱۵۰۴ء میں ہوئی ۔ کل ۶۳ سال ہوئے ۔ مہدوی کتب کی رُو سے سید صاحب نے سب سے پہلے ۹۰۱ھ مطابق ۱۴۹۵ء میں مکہ معظمہ میں اپنے ہمراہیوں میں مہدیت کا دعوی کیا اور دوسری مرتبہ ۹۰۳ھ مطابق ۸ - ۱۴۹۷ء میں گجرات میں اور تیسری مرتبہ ۹۰۵ھ مطابق ۱۴۹۹ء میں بڑلی کے گاؤں میں کیا ۔ گویا پہلا دعوے اپنی زندگی کے ۵۳ سال بعد ۔ دُوسرا دعوے ۵۵ سال کے بعد اور تیسرا دعوے ۵۸ سال کی عمر میں کیا مگر یہ مہدوی کتب کے لحاظ سے ہے ۔ ہندوستان کی عام تاریخوں سے اس کی تائید نہیں ہوئی ۔

اقضی القضاۃ شیخ عبدالوہاب م ۱۰۸۶ھ شیخ محمد بن طاہر محدث پٹنی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں

"لیکن ہندوستان کی عام تاریخوں سے اس کی تائید نہیں ہوئی۔ ہر مورخ نے یہی لکھا ہے کہ احمد آباد سے پٹن اور پٹن سے جب آپ بڑلی میں مقیم ہوئے تو دعوئے مہدی موعود کا کیا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ سے چرچا شروع ہُوا۔ کیونکہ اس سے قبل تاریخ میں آپ کے متعلق مسلمانوں کے عام عقائد کے خلاف کوئی بات تحریر نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ جہاں جہاں گئے ان کے تقوئے اور اخلاق پسندیدہ کو دیکھ کر ان کے گرویدہ ہو گئے اور کسی جگہ ان کی مخالفت نہیں کی گئی۔ اگر عام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف کسی جگہ کچھ بیان کیا ہوتا تو اس کا ذکر تاریخ میں ضرور آتا اور خصوصاً مخالفین مہدوی تو کبھی معاف نہیں کرتے۔ عام تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ کی مخالفت احمد آباد میں کی گئی جبکہ رویت باری کے مسئلہ میں آپ نے عام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔"[۱]

"داناپور کے جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا، والی مثل ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر آپ نے اظہار مہدویت کیا ہوتا تو تمام دنیائے اسلام میں ایک شور برپا ہو گیا ہوتا اور علماء مکہ و مدینہ سے اسی وقت بحث و مناظرہ شروع ہو گیا ہوتا حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے بلکہ خود مہدویوں کی تاریخ بھی اس ذکر سے خالی ہے اور کسی مخالفت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جو سراسر عقل کے خلاف ہے۔"[۱]

اس سے معلوم ہُوا کہ سید صاحب نے مہدیت کا دعویٰ، ۵۰ سال کے بعد کیا ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ سید صاحب کی زندگی کے، ۵۰ سال صحیح اسلامی خطوط پر بیتے بعد میں ان کے دماغ میں فتور آیا۔

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں :-

"نویں صدی ہجری میں سید محمد جونپوری بھی مہدویت کے مدعی ہوئے اور ان کا اثر کچھ پھیلا تو علماء نے ان کے خلاف شورش کی اور اربابِ حکومت کی مدد سے ان کو کہیں چین لینے نہیں دیا اس لیے کبھی داناپور، چندیری، مانڈو، چمپانیر، احمد نگر، گلبرگہ، احمد آباد اور نہروالہ میں قیام کیا لیکن وہ کہیں ٹکنے نہ پائے۔ یہاں تک کہ ان کو ہندوستان بھی چھوڑنا پڑا۔ اصلاح رسوم اور بدعات کے استیصال میں ان کی خدمات مشہور ہیں۔ اس لیے ان کے بارے میں مختلف

---

[۱] تذکرہ شیخ محمد بن طاہر پٹنیؒ ص۳۰۔

رائیں ہیں۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ ان کے دعویٰ مہدیت کا مقصد احیائے سُنت تھا۔ لیکن ان کے معاصر علماء اُن کے مخالف رہے "۔[1]

نیز عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:۔

"دعوائے مہدیت سے قبل بعض علماء ان کے وعظ و خطابت کی وجہ سے " اسد العلماء " کہا کرتے تھے "۔[2]

اس سے معلوم ہُوا کہ جونپوری کے دعوائے مہدیت سے قبل علماء نے اسکو" اسد العلماء" کا خطاب دیا تھا اور ان کی خدمات کو سراہا گیا ہے۔ لیکن جب انہوں نے مہدیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مَیں خدا کو اپنی دنیوی آنکھوں سے دیکھتا ہوں تب اس کی مخالفت ہوئی اور یہ سب کچھ اُن کی زندگی کے آخری ایام میں یعنی ۵۰ سال کے بعد ہُوا ہے۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ سید صاحب حالت سکر میں " انا مہدی " کہا تھا وہ ذرا سید صاحب کے اس خط کو دیکھیں جو انہوں نے ۹۰۵ھ بمطابق ۱۵۰۰ء یا ۱۴۹۹ء میں مختلف حکمرانوں کو لکھا تھا:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اے لوگو! اس امر کو سمجھ لو کہ مَیں محمد بن عبداللہ، رسول اللہ کا ہم نام ہوں۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے ولایت محمدیہ کا خاتم اور اپنے نبی کی بزرگ امت پر خلیفہ بنایا ہے۔ مَیں وہی شخص ہوں جس کے آخری زمانہ میں مبعوث ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے اور مَیں وہی ہوں جس کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دی ہے (الی ان) میں اس دعوے کے وقت نشہ کی حالت میں نہیں ہوں بلکہ باہوش ہوں۔ ہوش میں لائے جانے اور بیدار کیے جانے کا محتاج نہیں ہوں (الی ان) میری اس دعوت کا باعث یہی ہے کہ مَیں اللہ کی جانب سے اس دعوت پر مامور ہوں۔ تاکید اور تہدید سے مَیں اپنی دعوت تم تک پہنچاتا ہوں۔ اللہ نے مجھے مفترض الطاعت بنایا ہے (الی ان) اے لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو چھٹکارہ نصیب ہو۔ میری بات سنو اور میری پیروی کرنے میں جلدی کرو تاکہ تم فلاح پا سکو۔ جو کوئی میرا انکار کرے گا اور میرے احکام سے سرتابی کرے گا

---

[1] ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر صـ۳۲۔ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

[2] مسلم ثقافت ہندوستان میں صـ۲۵۶۔

اُس کو اللہ اپنی شدید پکڑ میں پکڑے گا"۔[۱]

سید صاحب نے اس میں صاف لکھا ہے کہ دعوے کرتے وقت میں بے ہوش اور نشہ کی حالت میں نہیں ہوں ۔ مہدوی کہتے ہیں سید صاحب مریدوں کی بیعت میں جہاں گردی اور بادیہ پیمائی کرتے ہوئے دانا پور سے جنگل میں پہنچا۔ وہاں ایک نورانی شکل والے نے بتایا کہ تو ُہی وہ ، مہدی آخرالزمان ہے جس کی پیش گوئی حدیث میں ہے اور اُسی طرح کے الہام کثرت سے اور پے درپے ہوئے ۔ اسی وجہ سے سید صاحب نے مہدیت کا دعوے کیا اور اُن کے ساتھیوں نے بے چون و چرا قبول کیا ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نورانی شکل والا کون تھا ؟ اور الہام کس کی طرف سے ہوا ؟ آیا یہ خُدا کی طرف سے ہوا یا شیطان کی طرف سے ہوا ؟ یا سرگردانی و پریشانی اور دیوانگی کی وجہ سے از خود دعوے کیا ۔ اس سلسلہ میں شیخ ابوالفضل کی رائے پیش خدمت ہے جن کے متعلق مہدوی اور ذکری حضرات کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ہے ۔ بقول ان کے شیخ ابوالفضل ان کا تھا تو اور بھی اچھا ہے ۔ صاحب البیت ادرا بما فیہ ، لیجئے گھر کا بھیدی کیا کہتا ہے :۔

شیخ ابوالفضل آئین اکبری میں جونپوری کے متعلق لکھتے ہیں :۔ از شوریدگی دعویٰ مہدویت کرد و بسیارے مردم برو گرویدند ۔[۲]

مورخ سید المتاخرین لکھتے ہیں :۔ "شوریدگی کے جذبہ سے مہدیت کا دعویٰ کیا بہت سے لوگ اس کے معتقد ہوگئے "۔[۳]

قارئین ! شوریدگی اور شوریدہ کو لغت میں دیکھ لیجئے ۔ تمام اہلِ لغت نے اس لفظ کا لغوی معنی پریشانی ، حیرانی اور آوارہ ہونا لکھا ہے اور مجازی معنی دیوانہ ، عاشق لکھا ہے ظاہر ہے مجازی معنے نہیں ہو سکتے ۔ قرینہ سے ظاہر ہے کہ سید صاحب جنگل و بیابانوں میں سودائی ہو کر پھرا کرتا تھا اور حیران و پریشان آوارہ و سرگردان ہونے کی وجہ سے ان کو وہم نے آگھیرا اور مہدویت کا دعوے کر بیٹھا ۔ ہم نے شوریدگی کا معنی جامع اللغات ص ۱۵۰ ج ۳ نسیم اللغات ص ۴۰۶ غیاث اللغات ص ۲۸۷ ، نوراللغات ص ۳۹۵ ج ۳ اور فیروز اللغات ص ۸۸۳ کی رو سے کیا ہے۔

---

[۱] قول المحمود ترجمہ از علامہ سید اشرف پروفیسر جامعہ عثمانیہ بحوالہ مہدوی تحریک ص ۴۸

[۲] بحوالہ دربار اکبری ص ۱۳۹ [۳] بحوالہ تذکرۂ علمائے ہند ص ۲۴۴ ۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان حیرانی و پریشانی کے عالم میں کیا کچھ نہیں کرتا۔ وہ خدا بھی بن بیٹھتا ہے کیونکہ وہ اپنے ہوش و حواس کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اسی لیے کبھی وہ مرزا غلام احمد کی طرح نبوت کا دعوےٰ کر بیٹھتا ہے تو کبھی جونپوری کی طرح مہدی بن بیٹھتا ہے۔ ابن العربیؒ نے مالی خولیا کی جو آٹھ قسمیں بتائی ہیں ان میں سے ایک یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ پر افتراء

مہدویوں اور ذکریوں کی ایک سازش یہ ہے کہ وہ شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ عبارت کو قطع و برید کر کے درمیانی جملوں کو حذف کر کے پیش کرتے ہیں۔ ہر باطل کا قدیم شعار ہے کہ وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ ذکری حضرات تو ویسے ہی کہتے ہیں "لاتقربوا الصلوٰۃ" نماز کے قریب مت جاؤ۔ آگے وانتم سکاریٰ کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں۔ مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو لطیفہ ہی سمجھ لیجئے:۔ روایت ہے کہ ایک ذکری مُلّا نے مولوی عبدالربؒ سے کہا کہ میں تجھ سے نماز کے بارے میں مناظرہ کروں گا۔ چنانچہ گفتگو شروع ہوتے ہی اس نے یہی آیت پیش کی کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ " لاتقربوا الصلوٰۃ " اے مومنو! نماز کے قریب مت جاؤ "۔ مولوی عبدالرب شاہ صاحبؒ نے فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا کہ "کیا وانتم سکاریٰ کو تیرے ابا نے تیری امّی کو جہیز میں دیا ہے"۔ مُلّا بے چارہ ہکّا بکّا رہ گیا اور اپنا سا مُنہ لے کر چلا گیا۔ یہی ظلم محدث دہلویؒ کے ساتھ ہُوا۔ ہمیں ان غیر مہدوی اور غیر ذکری تاریخ نگاروں پر افسوس ہے کہ انہوں نے بھی ان ہی محرّفوں کی پیروی کی ہے۔

سیّد محمد جونپوری کے متعلق محدّث دہلویؒ کی رائے

یاد رہے کہ مندرجہ ذیل اقتباس اس طویل مکتوب سے لیا گیا ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک دعوے کی تردید میں محدث دہلویؒ نے لکھا ہے اور غالباً یہ جواب ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے چنانچہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

" دعوائے مساوات بانبیاء خصوصاً با سید انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم باطل است و رتبہ و تفصیل باعتبار خادمی و مخدومی و اصالۃ و فرعۃ نیز باطل است۔ و عامل و کلام درین مسئلہ

نیامد و از زبان بعضے مہدویہ کہ باتفاق فرقہ خلافت اند شنیدہ است کہ در اعتقاد سید محمد جونپوری کہ مبدار و منشاد محل و مقر ضلالت ایشان است ۔ می گفتند کہ ہر کمالے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم داشت در سید محمد نیز بود، فرق است کہ آنجا باصالۃ بود و ایں جا بہ تبعیت رسول، بجائے رسید کہ ہم چو اوشدہ، و ایں بعینہ مقول ایشان است ۔ و چنین شنیدہ می شود کہ شیعہ نیز در شان ائمہ عشرہ رضی اللہ عنہم می گویند کہ ایشان تلامیذ اند پیغمبر علیہ السلام بمرتبہ استاد رسیدہ ۔ و بہر تقدیر خادم حق نعمت شناخت و نزد مخدوم جز بہ بندگی و نیاز دم نہ زد و دعوے مساوات نہ کرد[1] ۔

ع اے ایاز آں پوستین را دار پاس

یعنی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ برابری کا دعوے اور خاص طور پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا دعوے باطل ہے اسی طرح خادم اور مخدوم اصالۃ اور فرعیۃ کا فرق اور تفصیل بھی باطل اور بے کار ہے ۔ اس معاملے میں کسی نے اس طرح کا دعوے نہیں کیا ہے (البتہ) بعض مہدیوں کی زبان سے یہ دعوے سرزد ہوا ہے جو بالاتفاق اسلام کے خلاف ایک فرقہ ہے ۔

سنا گیا ہے کہ سید محمد جونپوری جو ان لوگوں کی گمراہی کا منبع اور مرکز ہے اس کے اعتقاد میں یہ بات تھی کہ وہ کہتا ہے کہ ہر وہ کمال جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وہ سید محمد جونپوری میں بھی موجود ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں اصالت سے ہے اور یہاں رسول کی اتباع سے ہے جو یہاں تک پہنچا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مانند ہو گیا اور یہ (حضرت مجدد) کا مقولہ بالکل مہدویہ فرقہ کے بیان کے مطابق ہے ۔

اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ شیعہ اپنے بارہ اماموں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شاگرد ہیں اور پیغمبر علیہ السلام ان کے استاد ہیں اور یہ شاگرد ترقی کر کے استاد کے مرتبے تک پہنچ گئے ہیں ۔ ہر لحاظ سے ایسا خادم جو اپنے آقا کا حق نعمت پہچانتا ہے اور اپنے آقا کے سامنے سوائے بندگی اور نیاز کے دم نہیں مار سکتا اور

---

[1] (مکتوب شیخ عبدالحق بنام حضرت مجدد الف ثانی (تعلیمات) حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳/۸ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی) ۔

اور دعوائے مساوات نہیں کرتا "۔

حضرت محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مہدوی فرقہ کے متعلق صاف لکھا ہے کہ یہ اسلام کے خلاف ایک فرقہ ہے۔ اور اس فرقہ کی گمراہی کا سرچشمہ، اصل منبع اور مرکز جونپوری خود ہے اور فرمایا کہ رسول کی اتباع سے کوئی شخص اس کے مقام اور درجے تک پہنچ نہیں سکتا۔ آخر میں فرمایا کہ جو صحیح معنوں میں خادم ہوتا ہے اس کو اس قسم کے دعوے کی ہمت نہیں پڑتی۔ یہ غالباً اس نے اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ نے اور مولانا محمد زمان شاہ جہان پوری نے مہدویوں کی گمراہی کا الزام محمد جونپوری پر لگایا ہے کہ جو حضرت محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت کو قطع و برید کر کے پیش کرتے ہیں، وہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی عبارت کو بار بار پڑھیں کہ انہوں نے جونپوری پر الزام لگایا ہے۔ یا صفائی پیش کی ہے۔

واللہ اعلم بحقیقت الحال۔ (باقی آئندہ)
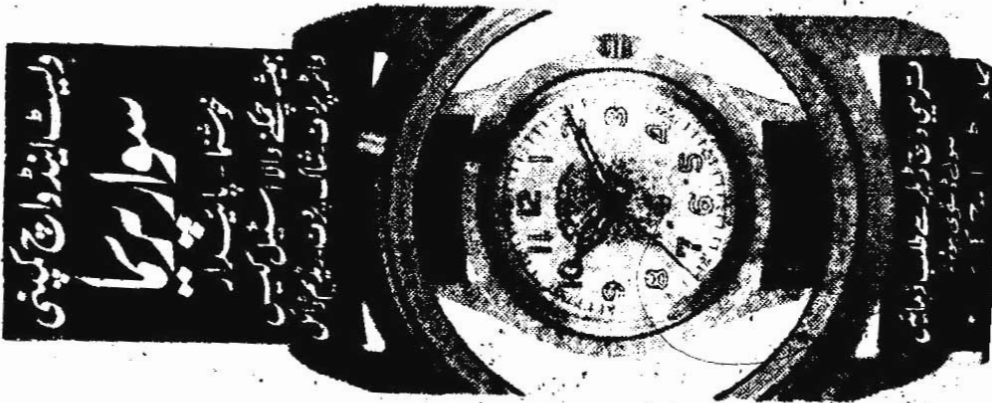
شیخ الازہر سے انٹرویو

ڈاکٹر شیخ عبدالحلیم محمود شیخ الازہر قاہرہ

ترجمہ: مولانا محمد حسن جان مدرس دارالعلوم حقانیہ

عالم اسلام کے بعض اہم مسائل

شیخ الازہر ڈاکٹر شیخ عبدالحلیم محمود کا عالم اسلام کے اہم مسائل اور مشکلات پر ایک انٹرویو مکہ مکرمہ کے ہفت روزہ "اخبار العالم الاسلامی" نے شائع کیا ہے۔ اس کے کچھ اقتباسات تلخیص اور اختصار کے ساتھ اردو میں پیش ہیں۔ "ادارہ"

س ۔ دنیا کی اسلامی اقلیتیں اپنی امداد اور تائید کی بڑی محتاج ہیں، اس سلسلے میں جامع ازہر کا پروگرام کیا ہے۔؟

ج ۔ جامع ازہر ان تمام اقلیتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور ان کی ضرورتوں سے باخبر رہنا چاہتا ہے۔ ان کی عام ضرورتیں کتابوں اور وظائف کی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ جامع ازہر اس تمام مکر و دجل اور غلط پروپیگنڈوں سے بھی پردہ اٹھانا چاہتا ہے۔ جو اسلام کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔ اور اپنے سفارت خانوں اور صحافت کے ذریعہ ذہنوں کو بیدار کرتا رہتا ہے۔

س ۔ کیا یہ صحیح ہے کہ ویٹی کن اور عیسائی کلیسا نے جامع ازہر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر فلم رکوانے کے لئے امداد چاہی ہے۔

ج ۔ مسلم دل آزار فلم نامی محمد رسول اللہ کے بارے میں شیخ الازہر نے فرمایا کہ یہ فلم اور اس جیسی دوسری فلمیں جن میں حضراتِ صحابہ کرامؓ اور خصوصاً اکابر صحابہ کرامؓ کے نام سے پارٹ ادا کئے جاتے ہیں۔ جامع ازہر ان کو سختی سے اور قطعی طور پر منع کرتا ہے۔ اور جامع ازہر کے مجمع البحوث الاسلامیہ کی طرف سے بھی ایسی فلموں کے بارے میں تحریم اور ناجائز ہونے کی ایک قرارداد پاس ہوئی

ہے، جسے دنیا بھر کے تمام مصری سفارت خانوں کو بھیجا گیا ہے۔ اور عام طور پر اس قرار داد کی نشر و اشاعت ہو چکی ہے۔ کیا ایک شخص جس کی پوری زندگی لہو و لہب اور فحاشی میں گذر گئی ہو وہ ایک بڑے صحابی اور خصوصاً ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کا پارٹ ادا کر سکتا ہے اور جب سے مسیحی کلیسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر فلم کی اجازت دے چکا ہے، اسوقت سے عیسائی دنیا میں اس قسم کی فلموں کی بہتات ہو گئی ہے، جب یہ بیباکی اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عشقی داستانوں پر فلم بنانے کی جسارت کی تو آجکل انگلینڈ کے مسیحی پادری جامع ازہر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر فلمیں بنانے کے رکوانے کیلئے امداد چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو مسیحی مذہب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بدنامی ہے۔

جامع ازہر سے اور مسلمانوں سے اس لئے امداد چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول اور قابل عزت و احترام مانتے ہیں اور جامع ازہر اس سلسلے میں ان کی امداد کریگا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے عقیدہ میں خدا کے پیغمبر ہیں اور اُن کی بے عزتی ناقابلِ برداشت ہے۔ اس بنا پر ہم محمد رسول اللہ نامی فلم اور ان تمام فلموں کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں جن میں کسی صحابی کو بھی، خواہ کسی صورت میں بھی ہو، ظاہر کیا گیا ہو۔

فن و ادب آرٹس اور کلچر

سوال :- قوموں کی تربیت میں آرٹس کا بڑا اثر ہے، اس کے بارے میں اسلام کی کیا رائے ہے۔

جواب :- خداوند قدس حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ۔ کہ ہم نے اس کو شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ یہ اُن کی شایانِ شان ہے یہ آخری جملہ بڑا عجیب ہے، جس سے اسلام کی رائے شعر و شاعری کے متعلق شخصیتوں کے بارے میں ظاہر ہو جاتی ہے کہ بعض ایسی اعلیٰ معیار کی شخصیتیں ہوتی ہیں۔ جیسے انبیائے کرام جن کی شان شعر و شاعری نہیں ہے، اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے لئے شعر تربیت اور نیک اخلاق کا کچھ کام دے سکتا ہے اور اس قسم کے لوگ ضرور انبیائے کرام کے درجے کے نہیں ہوں گے لیکن عام طور پر شعر و شاعری کے بارے میں اسلام کی رائے یہ ہے کہ: والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم ترا انھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون۔ "شاعروں کی بات پر وہ لوگ چلتے ہیں جو بے راہ ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ

وہ ہر میدان میں سرمارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۔" پھر اللہ تعالیٰ شاعروں سے بعض کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کہ " مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیئے اچھے اور یاد کی اللہ کی بہت، اور بدلہ لیا اس کے پیچھے کہ اُن پہ ظلم ہوا ہو اور اب ظلم کرنے والے معلوم کرلیں گے کہ وہ کس کروٹ الٹتے ہیں ۔" اسلام کی نظر میں شاعر میں یہ شروط ہونی چاہئیں تب اس کا شعر درست ہوگا ، مومن ہوگا ، نیک عمل ہوگا ، اور نیک عمل میں لہو اور عبثیات فساد اور لڑانا نہیں ہوتا اور یہ کہ ذاکر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کو سچے اور درست ایمان کی طرف متوجہ کرتا ہے ۔ اور سب سے عجیب تر آخری شرط ہے : " وانتصروا من بعد ما ظلموا ۔" اور فن کار شعراء عام طور پہ ایسے نہیں ہوتے کہ وہ ظلم کے بعد بدلہ لینا چاہیں اس لئے قرآنِ کریم نے یہ شرط بڑھا دی کہ شاعر اپنے کلام اور شعر ، اپنے علم و کردار سے ظلم کا بدلہ لینا چاہیں جو اسکی ذات یا اسکی قوم پہ کیا گیا ہو ۔

اب ، اسلام کی رائے آرٹس کے متعلق صاف درست اور واضح ہے کہ آرٹس کا مقصد کمال اور انسانی خدمت اور وہ اصول و مبادی ہونا چاہیئے جن کیطرف اسلام دعوت دیتا ہے اور نوجوانوں کی اصلاح ہونی چاہیئے ، ان افکار و خیالات کے خلاف جو اسلام سے جوڑ نہیں رکھتے ۔ اور اسلامی آرٹس میں بھی دوسرے آرٹس کی طرح بیباک شاعر بھی گذرے ہیں اور نیک و زاہد بھی اور اس طرح ہر آرٹس میں ہر قسم کے لوگ گذرے ہیں جنکی بنیاد اس مغربی نظریہ پہ ہو کہ فن برائے فن ہونا چاہیئے ، اس نظریئے کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان ہر دیکھی ہوئی چیز کی تصویر زبان سے یا فوٹو یا مجسمہ تراشنے سے پیش کرسکتا ہے ۔ خواہ وہ تصویر معاشرے کے لیئے نقصان دہ ہو یا نہ ہو اور یہ نظریہ دینی نظریہ نہیں بلکہ آرٹس کسی کمال اور انسان کی خدمت کیلئے ہونا چاہیئے ۔

دنیا میں کمیونزم اور صیہونیت نوجوانوں کی اخلاقی بربادی کے درپے ہیں ۔"

سوال :- آج کے جوان مستقبل کے معمار ہیں تو جوانوں کے کونسے مسائل ہیں جن کا اہتمام جامع ازہر کرتا ہے ۔ اور کہاں تک ازہر اس میں کامیاب ہوگیا ہے ۔ ؟

جواب :- جامع ازہر پوری دنیا کے نوجوانوں کے بارے میں فکرمند ہے ، کیونکہ مسلمان نوجوان بھی ان کا ایک حصہ ہے ، اور مخرب اخلاق لہریں آرہی ہیں جو پوری دنیا کو تباہ کر دینا چاہتی ہیں جن کے چلانے کے لیئے دو گروہ ذمہ دار ہیں ، کیمونسٹ اور یہود ۔

کیمونسٹوں کا مقصد یہ ہے کہ نوجوانوں کو کیمونزم کیطرف مائل کردیں اور مشرق و مغرب میں

ایسے بہت سے مسائل اور مشکلات پھیلا دیتے ہیں جو نوجوانوں کو کمیونزم کیطرف سے جائیں اور اس قسم کی مشکلات اور مسائل کے بارے میں جامع ازہر بہت فکرمند رہتا ہے۔ اور واضح طور پہ بتا دیتا ہے کہ اسلام اور کمیونزم میں بنیادی اختلاف ہے اور کمیونزم کی غلطی دکھاتا ہے۔ اور اس مقصد کیلئے ازہریوں نے بڑی کتابیں لکھ دی ہیں اور یہودیوں کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے، کہ پوری دنیا کے نوجوانوں کو خراب کر دیا جائے خواہ وہ مسیحی ہوں یا مسلمان یا کوئی دوسرا ہو تاکہ پورا انسانی معاشرہ خراب ہو جائے اور ان کو رئاست ملے کیونکہ ان کا پروگرام پورے عالم کو خراب کر کے ان کو لقمۂ خوراک بنانا ہے اور ان میں حسب منشاء تصرف کرنا ہے، اور اس بارے میں ان کا نظریہ اسلام اور مسیحیت دونوں کیطرف یکساں ہے اور وہ فساد عریانیت کے ذریعہ ہو یا دیگر اخلاقی جرائم کے ذریعہ، اور ان ذریعوں سے اپنا پروگرام پورا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو دنیا کی قیادت ملے اور لوگوں میں اپنے مذاق اور منشاء کے مطابق تصرف کرتے رہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کے تمام تدبیروں کو نیست و نابود کر دیں گے۔ جامع ازہر ان دونوں کے مقابلے میں کھڑا رہتا ہے۔ تاکہ وہ عام نوجوانوں کو خراب نہ کر سکے اور خصوصاً مسلمان نوجوانوں کو۔

"اسلامی شریعت جاری کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔"

سوال: شیخ الاسلام والمسلمین کی حیثیت سے آپ نے ضرور قرآن اور شریعت اسلامی کے مطابق احکام جاری کرنے کا مطالبہ کیا ہوگا تو کہاں تک آپ اس مطالبے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔؟ اور کیا یہ درست ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی کے نفاذ میں رکاوٹیں ہیں۔؟

جواب: میں نے اسلامی شریعت جاری کرنے کی ضرورت پہ تمام مصری یونیورسٹیوں میں اسیوط سے سکندریہ تک تقریریں کی ہیں اور مجلس قضاۃ اور بار ایٹ لاء اور ازہر اور عام مجالس میں بھی، اور یہ اس لئے کہ نہ صرف مصر بلکہ تمام عالم اسلامی کے اذہان کو بیدار کیا جائے کہ طاقت اور ترقی عزت اور کامیابی یہ سب کچھ اسلامی شریعت جاری کرنے کے بغیر قطعاً ممکن نہیں ہے۔ میں نے انڈونیشیا کے علمی مجالس میں کہا ہے۔ کہ علماء کا کام اسلامی شریعت جاری کرانا اور اسلامی تہذیب کی نگرانی ہے اور مجھے یاد ہے کہ ایک بار ایک مستشرق اسلام کے عہد اول کی فتوحات سے مبہوت اور حیران ہوتے ہوئے کہنے لگا کہ اتنی کم مدت میں اتنی بڑی فتوحات کیسے ہوئیں، اور خصوصاً دو بڑی عظیم اور یکتا سلطنتوں فارس اور روم کے مقابلے میں، اور پھر ایسے لوگوں نے فتوحات کیں جو جزیرۃ العرب کے آزاد اور مختلف قبائل تھے اور پھر کیسے یہ مختلف قسم کے قبائل متحد اور ایک قوت

بن کر تمام دنیا کے مقابلے میں آئے اور کامیاب اور غالب اور مصلح ہو کر آئے یہ سب کچھ کیوں ہوا پھر خود ایک عجیب مذاقی جواب ، دینے لگا کہ اس وقت زمین کا حجم موجودہ زمین کے حجم کا دسواں حصہ یا اس سے بھی کم ہوگا پھر دوسرا مذاقی جواب دینے لگا کہ اگر تم کو یہ جواب پسند نہیں تو دوسرا جواب یہ فرض کر لو کہ اس وقت ان کے قدموں کے نیچے زمین سکڑ جاتی تھی پس جب وہ ایک قدم اٹھاتے تو ان کے قدموں کے نیچے سو قدموں کی زمین جمع اور سکڑ جاتی تھی ، پھر کہنے لگا کہ اگر تم کو یہ پہلا اور دوسرا جواب پسند نہ ہو تو تم خود بھی میرے ساتھ ان فتوحات کی علت ظاہر کرنے میں فکر کرو کیونکہ میں تو ان کے حقیقی اسباب و علل بیان کرنے سے عاجز ہوں ۔

اور حقیقت یہ ہے کہ مغرب والے ان کی تعلیل سے عاجز اس لئے ہیں کہ ان کو اسلامی ایمان کی حقیقت معلوم نہیں جو تمام گھاٹیوں اور مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی کامیابی اور خداوند تعالیٰ پر اعتماد کا اعلان کرتا ہے اور جب امت میں صحیح اور سچا ایمان آجائے اور یہ شریعت پر عمل کرنے اور شرعی حدود جاری کئے بغیر نہیں آتا ۔ تب یہ امت پوری دنیا کی سلامتی اور اطمینان اور بلند اخلاق اور امن بلکہ حقیقی سعادت کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے ۔ کی قیادت کرے گی ، اس لئے ہم ہر جگہ شرعی حدود جاری کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں ، اگر اسلامی شریعت اور حدود جاری ہوتیں تو یہ موجودہ فساد رشوت ، چور بازاری ، فحاشی اور عریانیت جو ہر جگہ دکھائی دیتی ہے اور اخلاقی فساد جو نوجوانوں بڑوں اور چھوٹوں میں پھیل گیا ہے نہ ہوتا اگر شریعت جاری ہوتی تو یہ چیزیں نہ ہوتیں بلکہ پورا عالم اسلامی نشاط اور قوت کے ساتھ کامیابی کیطرف آگے بڑھتا ۔

شریعت جاری کرنے کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ کوئی خاص رکاوٹ نہیں بلکہ اپنی کمزوری اور بے ہمتی ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شریعت جاری کرنے میں رکاوٹیں ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں ؟ وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت کے لئے پہلے فضا سازگار کرنی چاہئے تو یہ اعتراض بے کار ہے اور یہ لوگ شریعت جاری نہیں کرنا چاہتے ہیں ، دوسرا ایک غلط سوال بھی کرتے ہیں کہ آخر شریعت میں پہلے کس بات پر عمل شروع کریں گے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ شریعت میں بعض ایسی باتیں ہیں جن پر پہلے عمل کرنا چاہئے اور بعض باتیں ایسی ہیں جو بعد میں قابل عمل ہیں اور بعض باتیں چھوڑ دینے کی ہیں ۔ اور یہ سوال قابل بحث بھی نہیں ہے ، کیونکہ ہم جب شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم ان کی بعض باتوں کو تدریجی طور پر رائج کرنے کے قائل نہیں ، بلکہ پوری شریعت دفعۃً جاری کرنے کے قائل ہیں ۔ میں نے اسکی مثال بھی دی ہے کہ جب جلالۃ الملک

باقی صفحہ ۱۴ پر

امجد علی شاکر بی۔اے۔ بصیر پور ضلع ساہیوال

نقد و نظر

۱۹۷۷ء اقبال کا سال ہے

اقبال بیسویں صدی کے ایک عظیم مفکر تھے۔ جنہوں نے قومی اصلاح کے لئے اپنے حکیمانہ کلام کو استعمال کیا مگر افسوس صد افسوس کہ تشریح اقبال کا منصب ان بر خود غلط قسم کے مفکرین کے ہاتھ میں آ لیا جن کی زندگیاں ہی فکرِ اقبال سے ایک بھونڈا مذاق تھیں جن کی اقبال سے ثریا اور ثریٰ کی نسبت تھی، انہوں نے اقبال کی فکر کو دروغ کی سان پر چڑھا کر جھوٹ کے مذبح میں قتل کرنے میں ذرا شرم محسوس نہ کی ان لوگوں نے تشریح اقبال کے ذریعہ پیٹ کے دوزخ کے لئے ایندھن حاصل کیا مگر فکرِ اقبال کا حلیہ بگاڑنے کے لئے اپنی عمر کو وقف کئے رکھا اور ایک خود ساختہ سانچے پر اقبال کی فکر کو فٹ کرنے کی عمر بھی سعی کرتے رہے اور فکرِ اقبال کے ریشم میں اپنی بردص فکر کے قاقم کے پیوند ٹانکتے رہے جس کی مثال خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب اقبال اور ملا اور فکرِ اقبال ہیں۔ چونکہ شارحین اقبال زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کی دین سے بیزاری کسی سے پوشیدہ نہیں اور وہ لوگ، اس گروہ کے ممتاز فرد تھے کہ جن کے بارے اقبال کی خواہش تھی کہ اگر وہ ڈکٹیٹر بن جائیں تو انہیں گولی مار دیں۔ اس لئے ان لوگوں نے اقبال کے ملا کے بارے میں کہے گئے اشعار کو ابھارا بلند کیا اور اسے سند بنا کر علماء کے خلاف ہذیان بکنے کا سہارا بنا لیا جسے ہم قلم کا سانحہ ارتحال کہہ سکتے ہیں ۔ اقبال کے ان اشعار کو علماء دین کے خلاف استعمال کرنا دورِ حاضر کا ایک بڑا عجوبہ اور فکر کے ساتھ انتہائی گھٹیا مذاق ہے اور یہ اقبال کے ساتھ کچھ اس قسم کا سلوک ہے، جس قسم کا سلوک ایک نادان بچہ کسی نازک سے کھلونے کے ساتھ کرتا ہے ۔ میرا دعویٰ ہے کہ اقبالؒ علماء کا مداح اور ثنا خواں تھا اور وہ صرف ان ملاؤں کے خلاف تھا جنہوں نے اسلام کو بگاڑنے کا منصب سنبھالا ہوا ہے ۔ رہا لفظ ملا، تو آجکل اردو میں یہ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہرگز مستعمل نہیں بلکہ جس طرح یارِ غار یا خلیفہ کے لفظ کو اردو محاورے میں بڑے غلط معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح ملا کو بھی ۔

اقبال ملتِ اسلامیہ کے لئے دین کو انتہائی ضروری خیال کرتے تھے جبکہ، تا مدملہ، اقبال کا ...

کیا جا سکتا ہے۔ تو ذرا سوچئے جو اس قسم کے اشعار کہے، وہ بھلا علماء دین کا مخالف کیونکہ ہو سکتا ہے۔ مگر بزعم خویش علماء مگر حقیقتاً جہلا کی تعریف پہ تو کسی بھی شخص کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ خود اقبال نے اپنے آپ کو علماء حق کی جاری کردہ تحریک، کو جاری رکھنے والا کہا ہے۔

"ابن تیمیہ ابن جوزی زمخشری اور ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی حضرت عالمگیر غازی شاہ ولی اللہ اور شاہ اسمٰعیل شہید نے یہی کام کیا ہے، ہمارا مقصد اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا ہے، اور کچھ نہیں۔" (بضمن اسرار خودی مقالات ص۱۷۵ بحوالہ فیضان اقبال ص۲۴۱۔)

اقبال تو صرف جعلی صوفیا کے گروہ سے نالاں ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسے علماء حق کے معترف خود اس بات، کو بالصراحت بیان فرماتے ہیں:

"مجدد الف ثانیؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔" (لسان العصر کے نام بحوالہ فیضان اقبال ص۵۲)

حضرت مجدد الف ثانیؒ سے علامہ اقبال کی والہانہ عقیدت کسی سے مخفی نہیں آپ بہت کم سفر کیا کرتے تھے مگر جب ایک روز اچانک، دل میں حضرت مجدد کے مزار کی زیارت کی تڑپ پیدا ہوئی تو گرمیوں میں سرہند کا سفر کیا اور واپسی پہ "حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پہ" نظم لکھی جو بال جبریل میں شامل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ سے آپکی عقیدت کا حال کس سے پوشیدہ ہے آپ اپنی انتہائی وقیع کتاب تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے خطبہ چہارم میں فرماتے ہیں:

"ہمارا فرض ہے ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کئے بغیر اسلام پر بحیثیت ایک نظام فکر از سر نو غور کریں غالباً یہ شاہ ولی اللہ دہلوی تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایک نئی روح کی بیداری محسوس کی۔"
(خطبۂ چہارم تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص۱۴۵)

اسی خطبہ میں ص۱۸۶ پہ فرماتے ہیں:

فلاسفۂ اسلام اور علمائے الٰہیات کے درمیان جو مسئلہ مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ انسان کی بعثت ثانیہ پر کیا اس کا جسم بھی پھر سے زندہ ہو جائے گا۔ اس میں زیادہ تر خیال یہ ہے اور شاہ ولی اللہ دہلوی کی رائے بھی جن کی ذات پہ گویا الٰہیات اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا۔"

آخری الفاظ پہ غور کیجئے اور اقبال کے ایک مولوی کے بارے میں ستائش کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ اقبال نے کئی دیگر مقامات پہ بھی آپ کی توصیف فرمائی مزید براں آپ عبد الوہاب نجدی محمد عبدہٗ جمال الدین افغانی اور دیگر کئی علماء و مصلحین کے مداح خواں تھے۔

یہ تو تھے اقبال کے دور سے پہلے کے علماء اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اقبال اپنے دور کے علماء کے مخالف تھے، تو اقبالیات کا مطالعہ کرنے والے شخص کو اس کا جواب بھی نفی میں ملتا ہے۔ آپ اپنے دور کے نامور علماء سے مخلصانہ علاقہ رکھتے تھے اور کئی ایک سے نیازمندانہ تعلقات وابستہ تھے، سید سلیمان ندوی جو اپنے دور کے متبحر عالم اور حضرت تھانویؒ کے مرید تھے، اقبال ان کی بے حد تعریف فرماتے تھے، چنانچہ ان کے نام ایک خط میں فرمایا:

"آپ علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کے فرہاد ہیں، آپ کا قلب قوی اور ذہن ہمہ گیر ہے، آپ استاذ الکل ہیں" (فیضان اقبال ص ۲۵۴)

آپ اپنے دور کے ایک عظیم عالم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بہت بڑے مداح رہے، چنانچہ آپ اسرار خودی کے ضمن میں مقالات میں تحریر فرماتے ہیں:

"میں مثنوی مولانا روم کی تفسیر میں مولانا اشرف علی تھانوی کا مقلد ہوں"

مقلد کا لفظ بہت حد تک قابل غور ہے، یہ والہانہ وابستگی اور مکمل پیروی کی صورت میں ہی بولا جا سکتا ہے، اور تقلید کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو اعلیٰ صلاحیتوں اور ارفع دماغی قوتوں کا مالک ہو۔

آپ اپنے دور کے عظیم ترین محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے بہت زبردست مداح اور ثناخواں تھے، آپ نے حضرت علامہ سے علمی استفادہ کیا اور ان کو لاہور لانے کی تمنا زندگی بھر دل میں باقی رہی ان سے اقبال کا تعلق ایک تفصیلی مضمون کا متقاضی ہے۔ اقبال نے ان کے متعلق فرمایا:

"سید انور شاہ دنیائے اسلام کے جدید ترین محدثین میں سے ہیں" (انوار اقبال ص ۲۵۵)

آپ نے اپنی حضرت انور شاہ کی وفات پر فرمایا:

اور ان کے بارے میں اپنے ایک مجموعہ کلام بانگ درا میں فرمایا:

محل نور تجلّی است رائے انور شاہ　　　چو قرب او طلبی درصفائے نیت کوش

حضرت لاہوریؒ حضرت امیر شریعتؒ اور دوسرے ممتاز علماء کرام سے اقبال کے مخلصانہ تعلقات ظاہر و باہر ہیں۔ حضرت السید حسین احمد مدنیؒ کہ جن کے بارے میں اقبال کے اشعار کا سہارا لیکر چند سامراجی اپنے خبث باطن کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے رہتے ہیں اگر انہی اشعار پر غور کیا جائے تو ہر صاحب نظر یہ معلوم کرے گا کہ اس میں بھی اقبال حضرت مدنیؒ کو ایک عظیم انسان سمجھ رہے ہیں، اور جب غلط فہمی دور ہوگئی تو پھر علامہ اقبال نے فرمایا:

"مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں"

(روزنامہ احسان ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء)

یہ اس والہانہ وابستگی اور عقیدتمندانہ شیفتگی کی چند مثالیں ہو اقبال کو علماء حق سے تھی ۔ اب یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال علماء حق کا مخالف نہیں بلکہ ان جاہل ملاؤں کا مخالف ہے جنہوں نے دین کو شکم پری کا ذریعہ اور پیٹ، پوجا کا آلہ بنا رکھا ہے اور جن کی حیثیت، دیہات میں کمیروں سے زیادہ نہیں۔

علامہ اقبال دین کو وراثت بنانے والے لوگوں کے بہت مخالف تھے، اور اہل اللہ کی بدعمل اولاد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا:

"افسوس شمال مغربی ہندوستان میں جن لوگوں نے علم اسلام بلند کیا ان کی اولادیں دنیاوی جاہ و منصب کے پیچھے پڑ کر تباہ ہو گئیں، اور آج ان سے زیادہ جاہل کوئی مسلمان مشکل سے ملے گا الا ماشاء اللہ ۔"

(میراں شاہ کے نام ۔ بحوالہ فیضان اقبال صفحہ ۳۳)

بانگ درا علامہ اقبال کے اولین دور کی یادگار ہے، اس کے دور اول کی نظم زہد اور رندی میں اقبال کے مغضوب ملا کی تصویر کافی حد تک سامنے آجاتی ہے۔

اک مولوی صاحب کی سناتا ہوں کہانی	تیزی نہیں منظور طبیعت کی دکھانی
شہرہ تھا بہت آپکی صوفی منشی کا	کرتے تھے ادب ان کا اعالی و ادانی
کہتے تھے کہ پنہاں ہے تصوف میں شریعت	جسطرح کہ الفاظ میں مضمر ہیں معانی
لبریز مئے زہد سے تھی دل کی صراحی	تھی تہ میں کہیں درد خیال ہمہ دانی
کرتے تھے بیاں آپ کرامات کا اپنی	منظور تھی تعداد مریدوں کی بڑھانی

یہ اس ملا کی تصویر ہے، جو تصوف کی حقیقت سے آگاہ نہیں اور "پنہاں ہے تصوف میں شریعت" کہنا ہی ان کے ہمہ دانی کے طلسم کو توڑ دیتا ہے اور ان کی جہالت کا راز فاش کر دیتا ہے ۔ یہ اس جاہل ملا کی تصویر ہے۔ جس نے اسلام کو کاروبار کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور اپنے افعال کی سند کے لئے ایک خیالی تصوف گھڑ رکھا ہے۔ چوتھا شعر طنزیہ ہے، پانچویں شعر نے پوری وضاحت کر دی ہے کہ یہ زہد ناآشنا ہیں اور دکھاوا ہی ان کے گنج پوشیدہ کی دولت ہے اور صرف دکھاوے کی بیساکھیوں پر اپنی پیری کو کھڑا کر رکھا ہے، اپنے پیٹ کی افزائش کے لئے نئے نئے مسائل کھڑے کرتا ہے تقدس مآبی اور جلالت قدر میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ جہل مرکب کے جال میں پھنسا ہوا ہمہ دانی کا راگ الاپا کرتا ہے۔ یہ آخری شعر اس ملا کی حقیقت کو مہر نیم روز کی طرح روشن کر دیتا ہے کہ اسکی تمام قیل و قال اور تگ و تاز کا ہدف صرف مریدوں کی تعداد بڑھانا ہی ہے، اس کے لئے یہ خود اپنی کرامات کو بیان کرتے ہیں اور عقیدتمندوں میں اضافہ کے لئے یہ کسی بھی غیر شرعی حرکت سے گریز نہیں کرتے۔ چونکہ ہمہ دانی کا خیال بھوت بن کر ان کے دماغ پر سوار ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ حق بات سننا بھی

گوارا نہیں کرتے۔

یہ وہ ملّا ہے جسے دیہات میں کیڑے کی سی حیثیت حاصل ہے، اور امامت و امارت، کا تصور اسکے ذہن سے چھو کر بھی نہیں گزرا۔ یہ گروہ ہندوستان دارالاسلام کے فتوے صادر کرتا تھا اور غلام ہند میں اسلام کو آزاد کہتا تھا، ان کی یہ صفت اقبال کی نظم ہندی اسلام میں بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہے۔

اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید جسکا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ان اشعار میں ایک خاص گروہ کا چہرہ نکھر کر سامنے آجاتا ہے اس گروہ نے بدعات، کو رواج دیا اور نئے نئے مسائل کھڑے کئے نئی نئی توجیہات پیش کیں اور اختلافات، کو پروان چڑھا کر قومی و ملّی اتحاد کو لخت لخت کیا اور افراد ملّت کو آپس میں لڑا کر ان کی قوت کار کو ضائع کیا ملا کی جنگ، و جدال کی صفت اقبال نے اپنی نظم ملّا اور بہشت میں بڑی خوبصورتی سے بیان کی ہے۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا حق سے جب حضرت ملّا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقول بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بدآموزیٔ ملل کام اس کا اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

یہ ملّا بڑا منہ زور اور امّت مسلمہ کیلئے بڑا سخت واقع ہوا ہے، جہاں اسے غیر مسلموں کیلئے آہن و فولاد ہونا تھا وہاں یہ ریشم کیطرح نرم و نازک بن گیا اور اسکے مفاد کی خاطر دینِ اسلام کو بھی موم کی طرح نازک بنا کر اس کے اشارۂ ابرو کے مطابق ڈھالنے لگا اور ہندوستان دارالسلام کے فتوے دینے لگا اور ساتھ ہی اس کے مخالف یعنی سامراج دشمن اور حریت پسند علماء کے متعلق فتاوئ کفر کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر دیا چنانچہ ان کی کتب اور ان کے تمام صحائف مقدسہ مجموعہ کفریات نظر آتے ہیں، اور ان کی عبارتوں سے کوک شاستر وں کی عبارتیں زیادہ سنجیدہ معلوم ہوتی ہیں۔ یہ سب کام کرتے ہوئے انہیں شرم و حیا قسم کی کسی شے کی زیارت کا موقع تک نہ ملتا تھا اور ڈھیٹ پن بے حیائی وغیرہ کا اس قدر وسیع ذخیرہ ان کے پاس موجود تھا کہ جھوٹ بولنا گالی بکنا دشنام اگلنا ان کا روزمرّہ اور پسندیدہ مشغلہ بن گیا۔ اقبال نے جابجا ان ملّاؤں کی انہی صفات مقدسہ کی بنا پر ان پر طنز و تعریض کے تیر چلائے، کبھی تو ملّاؤں کے فتوئ کفر کے جواب میں یہ کہتے نظر آتے ہیں ؎

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے کہ یک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف

اور کبھی فرمایا : ؎

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی　　اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگِ مسلمانی

اور کبھی ارشاد فرمایا : ؎

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی　　ان کا تو سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

ان تمام توضیحات کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اقبال علماء سوء کا دشمن تھا علماء حق کا نہیں۔ اور اقبال کی حقیقت پسندی سے اسی بات کی ہی امید کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اقبال بدعات کو مروج کرنے والے علماء کے زبردست مخالف تھے کیونکہ اس سے وحدت امت کو ضعف پہنچتا ہے، اور وحدت اقبال کے نزدیک انتہائی اہم چیز تھی چنانچہ اس موضوع پر اقبال نے فرمایا : ؎

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت　　وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو　　آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خدا داد

معیاری
اور
قابلِ
اعتماد
ایگل
ایک عالمگیر قلم
A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS & CO. LTD
ORIENT PROCESS, LHR
AFC-5/74

ھر دور میں اوّل
SOHRAB
پاکستان کا
نمبر 1 بائیسکل سہراب

جناب نور محمد غفاری - ریسرچ سکالر
پشاور یونیورسٹی

لوازماتِ تفسیر
یا
تاویلِ صحیحہ

قرآن مجید ایک عظیم ترین کتاب ہے - جو عظیم ترین زبان میں، عظیم ترین رسول صلے اللہ علیہ وسلم پر عظیم ترین فرشتے کے ذریعے، عظیم ترین خطہ ارض پر عظیم ترین مہینے میں نازل ہوئی - جو قلوب اور دماغ حامل قرآن ہیں، خواہ از روئے صرف وصورت ہوں یا شرح و ایضاح ان کی عظمت و رفعت اور فضل و بزرگی کا تو ٹھکانا ہی کیا ہے ؟

جس طرح قرآن مجید ابدی اور دائمی تعلیمات کا سرچشمہ ہے اسی طرح وہ خوش نصیب افراد، جنہوں نے اپنی زندگیاں قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنے میں گزار دیں، حیات سرمدی پا گئے - حتیٰ کہ وہ شہر جہاں انہوں نے جنم لیا تھا - ان کے نام بھی تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہو گئے اور آج کا مصنف بھی جب تاریخ التفسیر پر قلم اٹھانا چاہتا ہے تو اسے آمل کا شہر بھی یاد رکھنا پڑتا ہے جہاں شیخ طبری نے وفات پائی تھی - اگرچہ اُن میں سے اکثر و بیشتر گوشہ گمنامی سے اُٹھے تھے - مگر تاج سلطانی ان کی پابوسی کے لیے چلا آیا تھا - گو انہیں شاہانہ زندگی نصیب نہ ہوئی نہ اُنہوں نے خواہش کی مگر شاہ وقت نے ان کے سامنے زانوئے تلمیذ ٹیک دیئے تھے - وہ جب تک زندہ رہے شہرت و نیک نامی کے آسمان پر درخشندہ و تابندہ ستارہ بن کر چمکے - جب دُنیا سے رخت سفر باندھ رہے تھے تو " خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ " ان کا زادِ راہ تھا - قبر میں گئے تو اسے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ پایا اور قیامت کے دن جب دربار خداوندی میں پہنچیں گے تو اُن کا حساب "حِسَابًا يَّسِيرًا" ہو گا اور جنت میں ان کے لیے وہ نعماء ہیں جنہیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کانوں نے ان کے تذکرے سُنے ہیں اور نہ کبھی کسی فرد کے دل میں ان کی کیفیت کے بارے میں خیال گزرا ہے -

بے شک علم التفسیر ایک بہت بڑا علم ہے اور ایک سمجھ دار انسان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو سکتی ہے کہ وہ اس سعادت دارین کو حاصل کرے - لیکن یہ علم جتنا خود عظیم ہے اتنے عظیم المرتبہ تقاضے بھی رکھتا ہے - انہیں تقاضوں کو ہم آسان لفظوں میں "لوازمات" کا

نام دیں گے ۔ ان کے حصول کے بغیر تفسیر کا کام موجب برکت اور ثواب کی بجائے باعثِ عذاب بن جاتا ہے اور جنت کی نعماء گوناگوں دلانے کی بجائے "عَذَابَ السَّعِیْرِ" کے لیے تیار کر دیتا ہے ۔ یہی وہ خطرہ تھا جسے زبانِ نبوت نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا ہے :۔

مَنْ فَسَّرَ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

"جس نے بغیر علم کے تفسیر کی اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے ۔"

آئیے ہم لوازماتِ تفسیر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انہیں ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں :۔

۱ ۔ شروطِ تفسیر ۲ ۔ علومِ تفسیر

۱۔ شروطِ تفسیر :

شروطِ تفسیر کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور قابلِ ذکر ہیں :۔

(ا) اعتقاد کا صحیح ہونا ۔ (ب) تقوٰے ۔ (ج) نور باطن ۔ (د) صحتِ مقصد ۔

ا۔ اعتقاد کا صحیح ہونا

آداب تفسیر میں پہلی شرط صحتِ اعتقاد ہے ۔ امام ابو طالب طبریؒ اپنی تفسیر کی ابتدار میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں "معلوم رہے کہ مفسّر کے واسطے جو شرطیں (آداب) لازم ہیں ان میں سے پہلی شرط " اعتقاد کا صحیح ہونا " ہے ۔ اور سُنّت دین کا لزوم اور اُس پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا رہنا ہے ۔ کیونکہ جو شخص اپنے دین (اعتقاد) کے بارے میں بدنام ہو گا ۔ اس کا دنیوی امور کے متعلق بھی اعتبار و اعتماد نہیں کیا جائے گا ۔ چہ جائیکہ دینی معاملات میں اعتماد کیا جائے ۔ پھر جب اس دنیا سے متعلق خبر یا گواہی دینے پر دینِ اسلام میں اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا ۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ اسرارِ الٰہیہ کی خبر وہی اس کی طرف سے صحیح مان لی جائے ۔ اور اگر وہ شخص الحاد کی وجہ سے بدنام ہُوا ہو تو اس کی طرف سے یہ خطرہ رہتا ہے کہ وہ باطنیہ یا غالی رافضی فرقہ کی مانند لوگوں کو دھوکے اور فریب کے دام میں پھنسا کر گمراہ کر دے گا ۔ اور اگر وہ کسی دنیاوی بے جا خواہش میں مہتم ہے تو بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ۔ اس لیے کہ اس سے خطرہ ہے کہ اس کی نفسانی خواہش اور طمع اسے قرآن کی ایسی تفسیر کرنے پر آمادہ کر دے جو اس کی بدعت ہی کے موافق ہو ۔ جیسا کہ قدریہ فرقوں کا طریقہ ہے کہ اُن میں سے جو تفسیر کی کتاب لکھتا ہے تو محض اس مقصد سے کہ لوگوں کو سلف صالحین کی پیروی اور طریقِ ہدایت سے باز رکھے ۔"

(بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن نوع ۸۰)

ب۔ تقویٰ

قرآن کی تفسیر کے لیے دُوسری بڑی شرط تقوےٰ ہے۔ ویسے تو اپنی اہمیت کے اعتبار سے تقویٰ کی شرط اوّلیت کی حقدار ہے لیکن جب عقیدہ درست ہوگا تب ہی تقویٰ پیدا ہوگا۔ تقویٰ کی اہمیت بحیثیت شرطِ تفسیر کا اندازہ اس فرمانِ باری سے لگایا جا سکتا ہے جس میں قرآن حکیم کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (پرہیز گاروں کے لیے ہدایت) فرمایا اور ظاہر ہے کہ بغیر تقوے کے نہ جانے نفس اور شیطان کہاں کہاں بھٹکاتے رہیں ؟

ج۔ نورِ باطن

تقوے کے نتیجے میں نور باطن پیدا ہوگا۔ مفسّر کے لیے نور باطن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اگر ایک شخص تمام علوم تفسیر میں مہارت تامہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو اگر اس کا عمل، تعلیماتِ قرآنیہ کے خلاف ہو تو اس کی تفسیر سے نور ہدایت نہیں پھیلے گا۔ اور نہ ہی وہ مفسّر خود قرآنی معارف سے آشنا ہوگا۔ یہ اثر عمل کی قوت اور کمزوری کے اعتبار سے قوی اور کمزور ہوگا۔ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا :۔

"مولانا ابوالکلام کا ایک فقرہ اس باب میں خوب ہے انہوں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ کبھی حضرت شاہ ولی اللہؒ اور سر سید احمد خاں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا اور دوسرے سے کفر"۔

(مولانا سید سلیمان ندوی کا غیر مطبوعہ مکتوب جنوری ۵۹ء مندرجہ العلم)۔

د۔ صحتِ مقصد

ابو طالب طبریؒ نے لکھا ہے :۔ مفسّر کی شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جو بات کہتا ہو اس میں اس کا مقصد صحیح ہو تاکہ اس طرح وہ راستی اور راست روی پر قائم رہ سکے اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا (العنکبوت) (آخری آیت)	"اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کریں ہم ضرور اُنہیں اپنے رستے دکھائیں گے۔

اور مقصد میں خلوص جب ہی پیدا ہوگا جب دنیا سے بے تعلقی اختیار کرے۔ کیونکہ دنیوی رغبت رکھنے کی صورت میں وہ اس بات سے مامون و محفوظ نہ ہوگا کہ اس کو ایسی غرض تفسیر کرنے پر آمادہ کر دے جو کہ اسے اس کے صحیح مقصد سے روک دے۔ اور اس کے عمل کی صحت کو فاسد کر دے"۔

(بحوالہ الاتقان)

۲- علومِ تفسیر:- یہ وہ علوم ہیں جن کی مفسّر کو حاجت ہے اور جو اِن علوم کا جامع اور ماہر ہو اسے تفسیر قرآن کی اجازت ہیں اور وہ مندرجہ ذیل پندرہ علوم ہیں :-

(۱)- علم لغت (۲) علم نحو (۳) علم قرآت (۴) علم صرف (۵) علم اشتقاق
(۶) علم معانی (۷) علم بیان (۸) علم بدیع (۹) علم اصولِ دین (۱۰) علم اصول فقہ
(۱۱) علم اسباب نزول (۱۲) علم ناسخ و منسوخ (۱۳) علم فقہ (۱۴) علم حدیث (۱۵) علم وہبی یالدنی -

اب ان میں سے ہر ایک کی مختصر تشریح کرتے ہیں :-

۱- علم لُغت مفرداتِ قرآن کی شرح اور ان کے سوالات باعتبار وضع علم اسی علم کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر الفاظِ قرآنی کے معنی مراد سمجھنے کے لیے لغتِ عرب کا جاننا نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید نے خود دعوٰے کیا ہے کہ وہ "بلسان عربی مبین" ہے اور کئی مقامات پر مختلف انداز میں اس بات کی رضامندی ملتی ہے۔ مثلاً :-

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (یوسف : ۳)

"بے شک ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں اُتارا تاکہ تم سمجھ سکو ۔"

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابن زبعریؓ نامی ایک شخص نے قرآن حکیم کی آیت :-

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ۔

"بے شک تم جن کی ماسوا اللہ کے پوجا کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں ۔"

پڑھی اور اس کے بارے میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب ہر معبود من دون اللہ جہنم کا ایندھن ہے تو ان انبیاء علیہم السلام اور صالحین امت کا کیا حشر ہوگا جنہیں ان کے غالی مقلدین نے معبود بنا لیا (دراصل اس شخص کا خیال یہ تھا کہ کلمہ "ما" ذوالعقول اور غیر ذوالعقول دونوں کے لیے ہے) اس پر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

مَا اَجْہَلَکَ بِلُغَۃِ قَوْمِکَ اِمَّا فَہِمْتَ اِنَّ مَا لِمَا لَا یَعْقِلُ ۔ (بحوالہ تفسیر ابی سعودؒ)

"تو اپنی قوم کی لُغت سے کتنا بے خبر ہے کہ تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ "ما" کا کلمہ غیر ذوالعقول کے لیے ہے (ذوالعقول کے لیے نہیں) ۔"

اس سے ظاہر ہے کہ نبی اکرمؐ کی نگاہ میں لغت کی کیا اہمیت تھی ۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "حضرت امام مالکؒ نے فرمایا" اگر میرے پاس ایسا شخص کہ قرآن مجید کی تفسیر کرتا ہو لیکن لغتِ عرب کا عالم نہ ہو تو میں اس کو ضرور دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بناؤں گا "۔ (الزبیدی ص۵۳۹ جلد ۴)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کسی ایسے شخص کے لیے جو اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے یہ بات جائز نہیں کہ جب تک وہ لغتِ عرب کا عالم نہ ہو اس وقت تک کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے "۔ (الاتقان نوع ۸۰)

مصر کی مشہور و معروف فاضل شخصیّت مفتی محمد عبدہٗ (متوفی ۱۳۲۳ھ) فرماتے ہیں :-

" اُمتِ محمدیہ کے لیے لغت کا تحفظ اور اس کے لیے تحقیق و تدریس کا اختیار کرنا بہت بڑی فضیلت اور اُمت کے لیے حیات ہے کیونکہ جس امت کی لغت مر جائے وہ امت دُنیا سے مٹ جاتی ہے لیکن امت محمدیہ کا یہ لغت کا تحفظ قسم قرآن کے لیے ہو "۔

سلف صالحین نے اس علم کا خاص اہتمام اور التزام کیا تھا۔ عبداللہ بن عطیہ دمشقی متوفی ۳۰۳ھ کو استدلال تفسیر کے سلسلہ میں ۵۰ ہزار اشعار یاد تھے ۔

۷۴۵ھ کے مفسر قرآن ابو حیان الاندلسی فرماتے ہیں :-

" میں نے بچپن ہی میں علم لغت میں " کتاب الفصیح " اور اس علم کی دیگر کتب کو ازبر کر لیا تھا اور عربی دیوانوں میں سے چھ شعرا امرأ القیسؔ ، نابغہؔ ، علقمہؔ ، زہیرؔ ، طرفہؔ اور عنترہ کے دیوان بھی یاد کر لیے تھے "۔

(بحوالہ تذکرۃ المفسرین از مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہ)

علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں :-

" مطلق لغت کو ماخذ (تفسیر) بنانا (بھی جائز ہے) کیونکہ قرآن شریف کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے "۔ (البرہان)

لیکن یاد رہے کہ یہاں لغت کے علم سے مراد سطحی قسم کا علم نہیں بلکہ وہ اعلےٰ درجے کا علم ہے جو مفرداتِ زبان ، الفاظ و معنی کی در و لبست ، جملوں کی تراکیب ، حسن کلام فصاحت و بلاغت وغیرہ تمام امور کا کفیل ہو ۔

۲۔ علمِ نحو

اس کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ معانی کا تغیّر و تبدّل ، اعراب کے اختلاف سے وابستہ ہے لہٰذا اس کا اعتبار کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔

ابو عبیدؒ نے حضرت حسنؒ سے روایت کی ہے کہ اُن سے اس شخص کی بابت سوال کیا گیا جو زبان سے الفاظ کو ٹھیک طور پر ادا کرنے اور عبارتِ قرآن کو درست طور پر پڑھنے کی غرض سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتا ہو تو حضرت نے جواب دیا "اس کو ضرور سیکھنا چاہیئے کیونکہ ایک آدمی کسی آیت کو پڑھتا ہے وہ اس کے وجہ اعراب میں بھٹک کر ہلاک ہو جاتا ہے۔"

۳۔ علمِ قرأت اس کا جاننا نہایت ضروری ہے اس لیے کہ مختلف قرأتوں کی وجہ سے مختلف معانی معلوم ہوتے ہیں اور بعض معانی کی دوسروں پر ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ علم الصرف اس سے لفظوں کی بنا اور صیغوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ابن فارسؒ نے کہا ہے کہ "جس شخص سے تصریف کا علم فوت ہو گیا اس کے ہاتھوں ایک عظیم الشان چیز جاتی رہی کیونکہ مثلاً "وجد" ایک مبہم کلمہ ہے مگر جب ہم اس کی گردان کریں گے تو وہ اپنے مصدر کے ذریعے واضح ہو جائے گا۔"

صاحب کشف علامہ جاء اللہ زمخشری نے کہا ہے "جس شخص نے "یوم ندعوا اناس بامامہم" کی تفسیر کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہاں لفظ اِمامٌ ، اُمٌ کی جمع ہے اور قیامت کے دن لوگ اپنی ماؤں کے نام سے منسوب کر کے پکارے جائیں گے تو یہ ایک بالکل نرالی تفسیر ہے۔ اور اس غلطی کا سبب درحقیقت اس مفسّر کی علم تفسیر سے لاعلمی ہے۔ کیونکہ از روئے تصریف "امٌ" کی جمع "اِمامٌ" کے وزن پر آہی نہیں سکتی۔"

(بحوالہ الاتقان نوع ۷۸)

۵۔ علم اشتقاق پانچواں اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ لفظ جب دو مادوں سے مشتق ہو تو اس کے معنی مختلف ہوں گے۔ مثلاً لفظ "مسیح" اس کا اشتقاق "مسح" سے بھی ہے جس کے معنی چھونے اور ہاتھ کے تر کر کے کسی شئے پر پھیرنے کے ہیں اور "مساحت" سے بھی ہے جس کے معنے پیمائش کے ہیں اور "سیاحت" بھی اس کا مادہ ہو سکتا ہے۔

۶۔ علم بیان اس سے تراکیب کلام کے خواص کی معرفت ان کے وضوحِ دلالت اور اخفائے دلالت میں مختلف ہونے کے اعتبار سے حاصل ہوتی ہے آسان لفظوں میں

یوں سمجھئے کہ علم بیان کے ذریعے کلام کا ظہور و خفا اور تشبیہہ و کنایہ معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ علم معانی اس علم سے کلام کی ترکیبیں معانی کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں۔

۸۔ علم بدیع اس سے وجوہِ تحسین کلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔
"یہ تینوں علوم (علم بیان، علم معانی اور علم بدیع) بلاغت کہلاتے ہیں۔ اور مفسر کے لیے یہ تینوں علم بڑے رکن کہلاتے ہیں۔ کیونکہ اس کے واسطے مقتضائے اعجاز کی مراعات ضروری چیز ہے اور وہ مقتضیٰ صرف انہی علوم کے ذریعے سے معلوم ہو سکتا ہے۔"

سکاکیؒ کا قول ہے "معلوم رہے کہ اعجاز کی کچھ عجیب ہی شان ہے جس کا ادراک تو ہوتا ہے لیکن اس کو زبان سے لفظوں میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ جیسے وزن شعر کی درستی سمجھ میں تو آتی ہے لیکن زبان اس کے اظہار سے قاصر رہتی ہے یا جس طرح ذائقہ کو زبان محسوس تو کر لیتی ہے لیکن زبان سے اس کا اظہار ممکن نہیں اور غیر سلیم الفطرت لوگوں کے واسطے علوم معانی و بیان کی مشق بہم پہنچائے بغیر کوئی طریقہ اعجاز قرآن معلوم کرنے کا نہیں۔" (مفتاح العلوم)

ابن الحدید کا بیان ہے "جاننا چاہیئے کہ کلام کی قسموں میں سے فصیح اور افصح اور رشیق (نفیس) اور ارشق کا پہچان لینا ایک ایسا امر ہے جس کا ادراک بجز ذوقِ سلیم کے اور کسی ذریعے سے نہیں ہو سکتا اور اس پر دلالت کا ہونا غیر ممکن ہے بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو حسین و جمیل لڑکیاں ہوں اور اُن میں سے ایک کا حلیہ یہ ہو کہ سرخ و سفید، نازک گلاب کی پنکھڑی سے مشابہہ رنگت، پتلے پتلے ہونٹ، دانتوں کی آب و تاب کا یہ عالم ہو کہ گویا آب دار دانتوں کی ایک لڑی ہے۔ آنکھیں ایسی کہ سُرمہ لگائے بغیر ہر وقت سرمگیں معلوم ہوں۔ رخسار نرم و نازک اور ہموار، ستواں ناک اور بوٹا سا قد اور دوسری نازنین اس سے اپنی خصوصیات میں گھٹ کر ہو لیکن اس کی ادائے شیریں پہلی کی نسبت زیادہ دلفریب اور دل پسند ہے۔ اب اس کی اس دل کشی کا سبب سمجھ میں نہیں آتا مگر ذوق اور مشاہدے سے اس کا احساس اور ادراک ہوتا ہے اور اس کی کوئی علت نہیں قرار دی جا سکتی۔ بس یہی حالت کلام کی بھی ہے۔ البتہ کلام اور شکل و صورت دونوں کے وصفوں میں اتنا فرق باقی رہتا ہے کہ چہروں کا حُسن اور ان کی ملاحت اور ان میں سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ایسے شخص کے ادراک میں آسکتی ہے جس کی آنکھیں درست ہوں لیکن کلام کا ادراک بجز ذوق کے اور کسی ذریعہ سے ہرگز نہیں ہو سکتا اور یہ ضروری

نہیں کہ ہر وہ شخص جو علم نحو، لغت اور فقہ کا مشغلہ رکھتا ہو ذوقی اور وجدانی کیفیات بھی رکھتا ہوگا اور وہ ایسے لوگوں میں سے ہو جائے جو کلام کے محاسن و مصائب پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

بلاشبہ اہلِ ذوق تو وہی لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے علم بیان کے حصول میں اپنا وقت صرف کیا ہو اور مضمون نگاری، انشاپردازی، خطابت اور شاعری کی مشق بہم پہنچانے پر ریاضت کی ہو۔ چنانچہ ایسے افراد کو استحسانی ذوق نصیب ہو جاتا ہے اور ایسے ہی لوگوں کی طرف کلام کی معرفت اور ایک کلام کو دوسرے پر فضیلت دینے میں رجوع کرنا لائق اور مناسب ہے"۔

(بحوالہ الاتقان)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں "اللہ تعالےٰ کی روشن کتاب اور اس کے معجز کلام کی تفسیر کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ نظم کلام کو اپنے حسن پر، بلاغت کو اپنے کمال پر اور جس چیز پر تحدی (چیلنج) واقع ہوتی ہے اس کو جرح و قدح کر سکنے والی بات سے محفوظ رکھنے کا خیال رکھے"۔

ایک اور عالم کا قول ہے "اس فن کو معہ اس کے تمام انواع و اقسام کے جاننا ہی تفسیر کا رکن رکین ہے اور کتاب اللہ کے عجائب بھی اس سے معلوم ہوتے ہیں اور یہی فن فصاحت کی جان اور بلاغت کی رُوح ہے"۔

۹۔ علم اصولِ دین یا اصولِ عقائد

یہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی بعض آیات ایسی بھی ہیں جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے ایسے معنی پر دلالت کرتی ہیں جن کا اطلاق حق سبحانہ و تعدّس پر صحیح نہیں۔ لہٰذا علم اصول دین کا عالم ان کی تحویل کر کے مستحیل (محال)، واجب اور جائز ہونے والی باتوں پر استدلال کرے گا۔ اس قسم کی آیات میں سے ایک مثال "ید اللہ فوق ایدیھم" ہے۔ یہاں اللہ کے ہاتھ سے کیا مراد ہے؟ اصول دین کا عالم ہی اس کا صحیح تعین کر سکتا ہے"۔

۱۰۔ علم اصول فقہ

اس علم کے ذریعے وجوہِ استدلال اور استنباط معلوم ہوتی ہیں۔

۱۱۔ علم اسبابِ نزول

اس علم کا حصول مفسّر کے لیے نہایت ضروری ہے کیونکہ:-

و۔ اسباب نزول کے علم سے آیات کے معنی واضح ہوتے ہیں اور ان کو سمجھنے میں دِقت نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض اوقات تو سبب نزول کی معرفت کے بغیر آیت کے مفہوم کا سمجھ آنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

ب ۔ قرآن مجید میں بعض مقامات پر ایسا بھی ہُوا ہے کہ لفظ تو عام ہے مگر مفہوم میں خصوصیت ہوتی ہے۔ اس خصوصیت کا ادراک سبب نزول کے علم کے بغیر ناممکن ہے۔

ج ۔ بعض مواقع پر بظاہر آیت سے تجدید و حصر کا گمان ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر حصر کا توہم دُور کرنے کے لیے اسباب نزول کے علم سے مدد لینا پڑتی ہے۔

د ۔ بعض آیات ایسی ہیں جن میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مگر عبارت عام ہے مثلاً سورۃ الاحزاب کی آیت :

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ (الاحزاب : ۳۶)	"اور کسی مرد مومن اور عورت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا کوئی فیصلہ کر دے تو انہیں کسی امر کا اختیار باقی رہ جائے "

اب اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکم عام مومنین کے لیے ہے۔ لیکن اس آیت میں حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کی طرف اشارہ ہے۔

لہٰذا جب تک ہم اسباب نزول سے ماہر نہیں ہوں گے اس قسم کی آیات کی وضاحت ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ الغرض اپنی متنوع ضروریات کی بنا پر علم اسباب نزول و قصص انتہائی ضروری ہے۔

۱۲۔ علم ناسخ و منسوخ

تاکہ منسوخ شُدہ آیات کو معمول بہا سے ممتاز کیا جا سکے اور محکم آیات کو ان کے ماسوا سے الگ کیا جا سکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

" ناسخ و منسوخ آیات کا مبحث قرآن کے دشوار ترین مقامات میں سے ایک ہے کیونکہ اگر ان کا صحیح علم نہ ہو تو آیات کا مفہوم سمجھنے میں دشواری پیش آنا ایک یقینی امر ہے۔"

(الفوز الکبیر باب چہارم فصل دوم)

۱۳۔ علم الفقہ

قرآن حکیم مکمل ضابطہ حیات اور کامل کتاب ہے جس نے دعوے کیا ہے :-

مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ (الاعراف)	" ہم نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس کا ذکر کتاب (قرآن) میں نہ کیا ہو "

اس آیت سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن حکیم ہر حال اور ہر دَور کے لیے رہنما ہے

درپہ تقاضے کو پورا کرنے کا سامان رکھتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے بھی مجال نہیں کہ قرآنِ پاک اصول و کلیات کی کتاب ہے جزئیات و فروعات کی نہیں۔ لہٰذا اگر زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں اس سے روشنی حاصل کرنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مفسرینِ کرام اور شارحین عظام علم فقہ اور اصول فقہ میں کامل دست گاہ رکھتے ہوں۔ کیونکہ یہی وہ علم ہے جس کے ذریعے سے جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں اور مسائل انتباط کئے جاتے ہیں اور بڑھتے ہوئے معاشی، معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کو پورا کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ علم حدیث

حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم بمنزلہ قرآن مجید کی تفسیر کے ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے قرآنی آیات کی شرح و ایضاح کا کام اپنے قول اور فعل دونوں سے کیا۔ جنہیں آپؐ کے جانثار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک ایک کر کے محفوظ کیا ہے اور بعد میں علمائے اُمت نے اُنہیں اپنے سینوں اور سفینوں میں جگہ دی۔ لہٰذا آپ صلے اللہ علیہ وسلّم کی فرمودہ تفسیر آج تک حدیث کی صورت میں موجود ہے۔

کوئی مفسّر قرآن اس وقت تک صحیح تفسیر نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ حدیث اور اصولِ حدیث کا عالم نہ ہو اور بالخصوص ان احادیث کا جو قرآن پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واقع ہوئی ہیں۔

علامہ مکحول دمشقیؒ قرآن کی تفسیر کے لیے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی اہمیت میں یہاں تک فرماتے ہیں:۔

القرآن احوج الی السنۃ من السنۃ الی القرآن۔	"قرآن اپنی تفسیر کے سلسلہ میں سُنت کا زیادہ محتاج ہے بمقابلہ سنت کے قرآن کے لیے (اپنی توضیح کے بارے میں)

۱۵۔ علم وہبی

حضرت مولانا محمد ذکریا شیخ الحدیث سہارن پور لکھتے ہیں:۔

"ان سب کے بعد پندرہواں وہ علم ہے جو وہبی ہے۔ جو حق سبحانہٗ و تقدّس کا عطیہ خاص ہے اور اپنے مخصوص اور باعمل بندوں کو عطا کرتا ہے جس کی طرف اس حدیث

میں اشارہ ہے :۔

مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ ٥ (الاتقان)

"جو بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالےٰ سبحانہٗ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ بھی نہیں جانتا "

اس چیز کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا ہے جبکہ ان سے لوگوں نے پُوچھا تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے آپ کو کچھ خاص علوم یا خاص وصایا عطا فرماتے ہیں ۔ جو عام لوگوں کے علاوہ آپ کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ انہوں نے فرمایا :۔

"قسم ہے اس ذات پاک کی ! جس نے جنت بنائی اور جان پیدا کی ہے اس فہم کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کو حق تعالےٰ شانہٗ نے اپنے کلام پاک کے سمجھنے کے لیے کسی کو عطا فرمادیں "

ابن ابی الدین کا مقولہ ہے کہ :۔

"علوم قرآن اور جو اس سے حاصل ہو وہ ایسا سمندر ہے جو ناپیدا کنارہ ہے۔ یہ علوم جو بیان کئے ہیں مفسّر کے لیے بطور آئینہ کے ہیں ۔ اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت کے بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بارائے میں داخل ہے ۔ جس کی ممانعت آئی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے لیے علوم عربیہ طبعاً حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکواۃ نبوت سے مستفاد تھے "

علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

" شاید تجھے خیال ہو کہ علم وہبی کا حاصل کرنا بندے کی قدرت سے باہر ہے تو تمہارا گمان غلط ہے ۔ بلکہ ان کا حاصل کرنا ان اسباب کا حاصل کرنا ہے جن پر حق تعالےٰ سبحانہٗ اس کو مرتب فرماتے ہیں یعنی علم پر عمل اور دُنیا سے بے رغبتی "

حضرت امام غزالیؒ کیمیائے سعادت " میں فرماتے ہیں :۔

" قرآن شریف کی تفسیر تین قسم کے شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی ۔ اول وہ شخص جو علوم عربیہ سے واقف نہ ہو ۔ دوسرے وہ شخص جو کسی کبیرہ پر مُصر ہو یا بدعتی ہو کہ اِس

گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے معرفت قرآن سے قاصر رہتا ہے۔ تیسرے وہ شخص جو کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو۔ اور کلام اللہ شریف کی جو عبارت اس کے خلاف ہو اس سے اس کی طبیعت اچٹتی ہو اس شخص کو بھی فہم قرآن سے حصہ نہیں ملتا۔ اَللّٰھُمَّ احفظنا منھم۔ آمین "

(فضائل قرآن ص ۱۶-۱۹)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں مندرجہ بالا علوم کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

يَجِبُ عَلَى الْمُفَسِّرِ اِنْ يَنْظُرَ فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ وَجْهِ اللُّغَةِ وَمِنْ وَجْهِ الْاِسْتِعَارَةِ وَمِنْ وَجْهِ تَرْكِيْبِ اللَّفْظِ وَمِنْ وَجْهِ مَرَاتِبِ النَّحْوِ وَمِنْ وَجْهِ عَادَةِ الْعَرَبِ وَمِنْ وَجْهِ اُمُوْرِ الْحُكَمَاءِ الْاِسْلَامِيِّيْنَ وَمِنْ وَجْهِ كَلَامِ الْمُتَصَوِّفَةِ حَتّٰى يَقْرُبَ تَفْسِيْرُهٗ اِلَى التَّحْقِيْقِ وَلَوْ يَقْتَصِرُ عَلٰى وَجْهٍ وَاحِدٍ وَيَقْنَعُ فِي الْبَيَانِ بِفَنٍّ وَاحِدٍ لَمْ يَخْرُجْ عُهْدَةَ الْبَيَانِ ۔

" مفسر کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید میں غور کرتے وقت لغت، استعارہ، ترکیب الفاظ، نحو، عادتِ عرب، اسلامی حکماء کے بیان کردہ امور اور صوفیاء کا کلام مدنظر رکھے۔ اگر وہ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں تفسیر کرے گا تو اس کی تفسیر تحقیق کے درجے پر ہو گی۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک جہت پر انحصار یا بیان کے کسی ایک طریقہ پر قناعت کرے گا تو وہ تفسیر کے بیان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گا "

(جواہر القرآن ص ۲۹)

حاصل کلام یہ ہے کہ ان علوم کا مختصر تعارف جن کا حصول تفسیر کے لیے ضروری ہے اور ان کے ذریعے اس کتاب کا علم حاصل ہوتا ہے کہ " قومیں اگر اپنے آپ کو اس میں تلاش کریں گی تو پا لیں گی۔ جماعتیں اور مختلف طبقے اگر اپنے آپ کو اس آئینہ میں دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں گے۔ افراد، ہم اور آپ اگر اپنے کو تلاش کرنے نکلیں گے تو انشاء اللہ ناکام واپس نہیں ہوں گے "

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

موتمر المصنفین کی دوسری پیش کش
اسلام اور عصر حاضر
موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور پاکستان

موتمر المصنفین کی ایک اور پیش کش
دعوات حق
جلد اول

محترمہ دادی صاحبہ مرحومہ قدس اللہ سرہا العزیز کے سانحۂ ارتحال پر ملک و بیرون ملک سے ہزاروں کی تعداد میں حضرت والد ماجد مدظلہٗ اور ناچیز کے نام تعزیت نامے، ٹیلیگرام اور ختم قرآن پاک و ایصالِ ثواب کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں، یہاں ہم بعض مشاہیر اصحاب علم و فضل اور چند معروف زعماء کے پیغامات کی اشاعت کی شکل میں اپنی مخدومہ محترمہ مرحومہ دادی صاحبہ کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ —— سمیع الحق ——

مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ، کراچی | یہ معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ والدہ محترمہ رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کو اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت سے سرفراز فرمائے اور آپکو اور تمام پسماندگان کو اجر و صبر سے نوازے۔ آمین۔ مجھے تو معلوم نہ تھا کہ اب تک آپ اس نعمت عظمیٰ سے متمتع تھے۔ اور ان کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بہرحال سب کو جانا ہے۔ بجز انقیاد اور چارہ کار نہیں۔ برادر محترم مولانا سمیع الحق صاحب سے ایک ملاقات ہوئی تھی۔ دوسری ملاقات کا انتظار تھا۔ کہ یہ معلوم ہوا کہ برادر موصوف کو کراچی میں یہ خبر وحشت اثر پہنچی اور وہ فوراً روانہ ہو گئے۔ خدا کرے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں۔ والسلام۔

مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہٗ | آں محترم کی دادی صاحبہ کی خبر معلوم ہو کر ازحد افسوس ہوا۔ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ محترم المقام حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اور آپ حضرات کو صبر کی توفیق دے۔ واقعی مرحومہ آپ کیلئے خیر و برکت کا سرچشمہ تھی۔ یقیناً ان کی رحلت سے شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم اور باقی پسماندگان کو صبر کی تلقین فرماویں۔ انشاء اللہ العزیز مرحومہ کیلئے قرآن مجید پڑھا کر ایصال ثواب کیا جائے گا۔

مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ | حضرت مولانا عبدالحق صاحب بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ زادہم اللہ وایانا بالعافیۃ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ آج صبح کی نماز کے بعد احباب میں سے ایک ریڈیو سننے والے نے ایک المناک خبر سنائی کہ آپ کی

والدہ ماجدہ نے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفورہ و مرحومہ فرما کر ان کی قبر کو انوار رحمت سے منور فرماویں۔ جماعات میں ان کے لئے دعاء مغفرت جاری ہے۔ رحمتِ الٰہی اور شفقتِ نبوی کے بعد سوم درجہ ماں کی شفقت کا ہے۔ بقول اقبال مرحوم سیرتِ اقوام را صورت گر است۔ شفقت او شفقتِ پیغمبر است۔ امہات کی وفات اور انکی دعاؤں سے محرومی حسرتناک ضرور ہے۔ لیکن تقدیر کے آگے بندہ مومن کا سر خم ہے۔

اللھم اغفرہا وارحمہا ونور قبرہا وضع علیہا ورد تعد بعہا یارب اللہ تعالیٰ سب اولاد اور اقارب صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے۔ آمین۔ تمام افراد خانہ سے تعزیت قبول ہو۔

مولانا عبید اللہ انور مدظلہ ابھی ابھی محمد سعید الرحمٰن علوی مدیر خدام الدین کے ذریعہ حضرت والد کی والدہ ماجدہ کے انتقال کی روح فرسا خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شدید رنج اور صدمہ ہوا۔ مرحومہ کے وجود باجود سے حضرت والد اور اہل خانہ کو جو روحانی فوائد حاصل ہوتے ہوں گے ان کو آپ جیسا متبحر عالم اور باعمل انسان خوب جانتا ہے۔ مجھ جیسا حضرت کا ایک خوشہ چیں اس پوزیشن میں نہیں کہ مزید کچھ عرض کر سکے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آپ اور دوسرے متعلقین کو اپنی مہربانی و رحمت سے صبر جمیل کی دولت سے نوازے۔ انشاء اللہ مجلسِ ذکر اور جمعہ میں اجتماعی دعا ہو گی۔ بلکہ ہر وقت دعائیں ہوں گی کہ آپ ہمارے محسن اور صاحبِ حق ہیں۔ برادرم مولانا سمیع الحق وغیرہ کو السلام علیکم۔ والسلام۔

مولانا مفتی ولی حسن کراچی دو تین روز ہوئے کہ آپ کی دادی صاحبہ کے سفر الی الآخرۃ کی اطلاع ملی، صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل ارزانی فرمائے۔ اس پر آشوب زمانہ میں عابدہ، صالحہ کا اٹھ جانا قیامت سے کم نہیں۔ حضرۃ الاستاذ مدظلہ العالی کو سلام مسنون کے بعد احقر کی طرف سے تعزیت پہنچا دیجئے۔ اعظم اللہ اجورکم۔

مولانا ابرار شاہ فاضل دیوبند سابق مدرس دار العلوم حقانیہ "نوائے وقت" میں جناب کی دادی محترمہ کی وفات کی خبر دیکھ کر صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ شانہ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اس پر آشوب زمانے میں ایسی بزرگ ہستیوں کا وجود بڑا نعمت ہے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ اب تک یہ سایہ رحمت آپ کے سر پر قائم رہا۔ حقیقت میں تمام کامیابیوں کا راز یہی تھا۔ دعا ہے حق تعالیٰ مستقبل اس سے بھی مزید درخشاں فرما دے۔ آمین۔

مولانا محمد اسحاق سندیلوی۔ کراچی آپ کی دادی صاحبہ محترمہ مرحومہ کے انتقال کی اطلاع ہوئی۔ مرحومہ تو انشاء اللہ بہشت راحت میں ہوں گی۔ مگر ان کی برکت و شفقت سے آپکی اور آپکے والد صاحب محترم کی محرومی کا افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ محترمہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرماویں۔ اور امید قوی قریب بہ یقین ہے کہ ... حل ملکی ہو گی اور آپ سب حضرات کو صبر جمیل۔

مولانا محمد طاسین ناظم مجلس علمی کراچی بلاشبہ آپ حضرات ان کے وصال سے ایک عظیم نعمت سے محروم ہوگئے جو صالح دعوات اور مبارک توجہات کی صورت میں آپ کو میسّر تھی۔ اور جس کا تصور بھی قلبی سکون و اطمینان کا موجب تھا۔ لہٰذا ان کی مفارقت پر رنج و صدمہ ہونا ایک بالکل فطری امر ہے۔ لہٰذا دل سے دعا ہے۔ کہ اللہ غفور و رحیم ہماری دادی صاحبہ مرحومہ و مغفورہ کو اپنی خاص الخاص بخششوں اور رحمتوں سے نوازے اور بلند سے بلند درجات کیساتھ جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ اور پسماندگان متعلقین کو وہ صبر جمیل عطا فرمائے جسکا اجر و ثواب اس کی رضا اور جنت ہے ۔۔۔ دراصل فرمان الٰہی "کل نفس ذائقة الموت" کے مطابق ہر جاندار نے موت کا مزہ چکھنا اور اس دنیا سے بالآخر ضرور جانا ہے۔ لیکن قابل رشک ہیں وہ مرنے والے جنہوں نے اپنی زندگی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزاری اور جن کا خاتمہ بالایمان ہوا۔ نیز جو اپنے پسماندگان میں حضرت مولانا مدظلہم جیسے عظیم فرزند اور مولوی سمیع الحق جیسے پوتے چھوڑ کر گئے۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ اور انکی روحوں پر رحمت کے پھول برسائے۔ اور پسماندگان کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا سعید الرحمان علوی مدیر خدام الدین لاہور حضرت مولانا کی والدہ کا اور آپکی دادی اماں کے انتقال کی خبر ملی۔ دل پہ کیا گزری اسکا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں ہے۔ سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ بے خبر تھا۔ کہ گھر میں اسرا پا برکت موجود تھی۔ اب یہ چلا تو بے پناہ برکات کا راز سمجھ میں آیا۔ حضرت مولانا کی خدمت میں دست بستہ سلام دعا کی درخواست کے ساتھ اظہار تعزیت۔ یوں ایک مخدوم و محترم کی والدہ ماجدہ ہونے کی حیثیت سے وہ ہم سب کی مخدومہ تھیں۔ ہم خود بھی بطور پر مستحق تعزیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو اپنے دین کی خدمت کیلئے صحت و سلامتی سے رکھے۔

صاحبزادہ فاروق علی سپیکر نیشنل اسمبلی آپ کی والدہ محترمہ کے وصال کی خبر سے انتہائی رنج و صدمہ پہنچا۔ دعا گو ہوں کہ خداتعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق۔

نوابزادہ محمد علی خان ہوتی سابق وزیر تعلیم آپ کی والدہ کے انتقال کی خبر سے صدمہ پہنچا۔ خداتعالیٰ انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

خان عبدالقیوم خان وفاقی وزیر داخلہ پاکستان آپ کی والدہ ماجدہ کے وصال کی خبر سے مجھے انتہائی صدمہ پہنچا۔ خداتعالیٰ آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مرحومہ کو اعلیٰ درجات سے نوازے۔

مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ جب یہ خبر آئی کہ والدہ ماجدہ رحمہا اللہ انتقال کر گئیں تو فوراً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے سامنے والدہ ماجدہ کیلئے دعا کی اور ان کی شفاعت کیلئے درخواست کی ارحم الراحمین انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اماں جی ارحم الراحمین کی رحمت عظیم ودیعت تھیں۔ مسجد نبوی میں ہمارے ساتھیوں نے مل کر اجتماعی دعائیں کیں۔ ڈاکٹر عبد الحکیم خان محمد سرور خان سابق آئی جی پولیس شفیع اللہ خان عمر زئی سب کیطرف سے مضمون واحد ہے۔ (قاضی فضل دیان مدینہ طیبہ)

ہم سب مدینہ طیبہ میں مولانا عبد الحق عباسی کے ہاں موجود تھے۔ کہ والدہ محترمہ کی وفات کی اطلاع ملی تو سب نے مل کر والدہ مرحومہ کیلئے دعائے مغفرت کی اور ایصال ثواب کیا۔ (مولانا نجم الرحمان مدینہ طیبہ)

دادی صاحبہ کی وفات کی خبر موجب صد رنج ہوا۔ تمام احباب اس خبر سے رنجیدہ ہوئے۔ اور مسجد نبوی شریفہ میں مرحومہ کے رفع درجات اور مغفرت کیلئے انفرادی اور اجتماعی طور پر بار بار دعائیں کیں۔ بزرگوارم کے تمام فرزندان علمی اور ابنائے دار العلوم حقانیہ اور متعلقین کو قلبی صدمہ ہوا ہے۔ محترم مولانا عبد الحق صاحب عباسی محترم مولانا محمد الغانم کریم صاحب اور صاحبزادہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی مولانا ارشد صاحب وغیرہ بھی تعزیت و ہمدردی کا اظہار فرماتے ہیں۔ (مولانا سید علی شاہ جامعہ اسلامیہ۔ مدینہ منورہ)

جو بارش انوار و برکات مرحومہ کی گھر میں موجودگی کیوجہ سے تھیں خداوند تعالیٰ اسے قیامت تک جاری رکھے۔ (قاضی عطاء الرحمان رائس الخیمہ عرب امارات)

جمعیۃ العلماء اسلام پنجاب جمعیۃ العلماء اسلام پنجاب کی مجلس شوریٰ نے اپنے حالیہ اجلاس لاہور زیر صدارت مولانا عبید اللہ انور میں دیگر قراردادوں کے ضمن میں حسب ذیل تعزیتی قرارداد متفقہ طور پر منظور کی۔ "یہ اجلاس جمعیۃ العلماء اسلام کے بزرگ رہنما حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ العالی ایم۔ این۔ اے کی والدہ محترمہ کی وفات پر گہرے غم ورنج کا اظہار کرتا ہے۔ اور دعاگو ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائیں"۔ اجلاس کے اختتام پر حضرت مولانا عبد الحق مدظلہ کی والدہ مکرمہ کیلئے دعائے مغفرت کی گئی۔ (ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹)

مرکزی مجلس عاملہ جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان جمعیۃ العلماء اسلام کی مرکزی مجلس عاملہ نے ۲۹ دسمبر کو اپنے اہم اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا محمد شریف وٹو منعقدہ دار العلوم عثمانیہ راولپنڈی میں حسب ذیل قرارداد کے ذریعہ اظہار تعزیت کیا۔ "یہ اجلاس حضرت مولانا عبد الحق ایم۔ این۔ اے اکوڑہ خٹک کی والدہ محترمہ کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ اور دعاگو ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور

مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان | (جنازہ وغیرہ کی تفصیلات کے بعد) مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں مولانا تاج محمود صاحب اور مولانا محمد شریف جالندھری نے اپنے ایک بیان میں مرحومہ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے - ادارہ لولاک مولانا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ (ہفت روزہ لولاک لائلپور ۲۴ دسمبر ۱۹۷۶ء)

خدام الدین۔ لاہور | مرحومہ کی عمر ۹۰ برس سے متجاوز تھی اور وہ اسلامی روایات کی امین و علمبردار تھیں۔ یہ حادثہ حضرت مولانا عبدالحق کیلئے انتہائی صبر آزما ہے - اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان و متعلقین کو صبر جمیل کی دولت سے نوازے۔ ادارہ خدام الدین حضرت مولانا کا شریک غم ہے۔ (ہفت روزہ خدام الدین۔ لاہور ۲۴ دسمبر ۱۹۷۶ء)

مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ کراچی | مغرب کی نماز کے وقت احسن آباد پہنچے ہی یہ روح فرسا خبر سنی کہ آپ کی والدہ صاحبہ رحلت فرما گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون - فوراً شفیق صاحب کے گھر فون کیا تو معلوم ہوا کہ آپ ائیرپورٹ جا چکے ہیں۔ اور جہاز روانہ ہو چکا ہے - چنانچہ چند حسرتیں دل میں لئے واپس آئے اس ضعف اور اس علالت میں حضرت مولانا مدظلہم العالی کیلئے والدہ ماجدہ کے انتقال کا حادثہ کس قدر باعث اذیت ہوگا اس کے تصور ہی سے دل بے چین ہے - پھر آپ جس ناگہانی طور پر اس حادثے سے دوچار ہوتے اور جس طرح گھبراہٹ کے عالم میں یہاں سے رخصت ہوئے کہ وداعی سلام تک نہ ہو سکا - اس لئے مزید بے چینی رہی - اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ تمام حضرات کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمادے آمین۔

مولانا عبدالمجید ندیم تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان | دعا کرتا ہوں رب العزت مرحومہ کو کروٹ کروٹ راحتوں سے نوازے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمادے۔ آمین۔

مولانا قاضی عبداللطیف نجم المدارس کلاچی | مخدوما اس حقیقت کو آپ سے کون زیادہ جانتا ہوگا۔ اس دار فانی میں کسی کو بقا نہیں -

دولت گیتی کہ تمنا کنند   با کہ وفا کرد کہ با ما کند

لیکن سعادتمند بیٹوں کی مرحوم والدہ کو اپنی سعادتمندی کا جو حق الیقین آج ہو چکا ہوگا وہ یقیناً قابل رشک ہوگا۔

شریف فاروق ایڈیٹر روزنامہ مجاہد پشاور | بلاشبہ مرحومہ بہت ضعیفہ تھیں لیکن آپ کے سر پر تو ان کا سایہ تھا۔ اور یہ سایہ رحمت خداوندی سے کم نہیں ہوتا- آپ کو ان کے رحلت کر جانے سے جو صدمہ پہنچا ہے- میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں -

مولانا حبیب اللہ مختار مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی | فقد اطلعت علی المصاب الجلیل والرزء الفادح

فلیصبروا ولتحتسبوا غفر اللہ لھا ونور قبرھا وجعل قبرھا روضۃ من ریاض الجنۃ ۔

مولانا حبیب اللہ ناظم دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت | مرحومہ نیک بخت تھیں جن کی گود میں جیسے عالم دین پھلے پھولے اور اپنی آنکھوں سے باکمال فرزند ارجمند اور سعید پوتوں کو خادم اور غم خوار اسلام اور رہبر قوم وملت دیکھ کر اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں ۔ اور اولاد صالح اور آپ کے واسطہ سے دارالعلوم حقانیہ اوامھا اللہ وادامھا اللہ کے علمی صدقہ جاریہ میں بھی شریک ہوکر دنیا سے گزریں۔

مدرسہ فرقانیہ مدنیہ۔ راولپنڈی | مدرسہ کے تمام اساتذہ کرام اور طلبہ کے ایک تعزیتی اجلاس میں مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے قرآن پاک ختم کرایا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔ حضرت مولانا عبد الحکیم ایم۔ این۔ اے نے جناب والا سے اظہار افسوس کیا۔

مولانا معاذ الرحمان۔ نیو ٹاؤن۔ کراچی | بڑھاپے میں آنجناب کو جسمانی عوارض اور امراض اولاد اور دیگر امور میں طرح طرح کے مصائب سے آپ کا سامنا ہوتا ہے۔ اسمیں آپ کا دل سہارا اور صحیح معنوں میں ہمدرد اور شریک غم آپ کی والدہ صاحبہ کا وجود اور سایہ تھا۔ اللہ آپ کو اس عظیم مصیبت پر صبر کی توفیق عنایت فرمادے اور مرحومہ کو احسانات عظیمہ سے نوازیں۔

مولانا مفتی احمد الرحمان صاحب۔ کراچی | حضرت دادی صاحبہ مرحومہ کا وصال یقیناً سانحہ عظیمہ ہے۔ اور اس پر جس قدر حزن وملال کیا جائے کم ہے۔ خصوصاً آپکو تو اور زیادہ افسوس ہوگا۔ کہ آپ تو شاید آخری دیدار بھی نہ کرسکے۔ مرحومہ کو درجات عالیہ سے نوازے۔

مولانا عبد الخالق خطیب کوہ نور ملز راولپنڈی۔ | حضرت مدظلہ کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیھا کے انتقال کا علم ہوا۔ عزاکم اللہ واغفر لھا واعف عنھا واکرم نزلھا واعذھا من عذاب القبر ومن عذاب النار۔ انشاءاللہ تعالیٰ ختم قرآن شریف کا ثواب پہنچایا جائے گا۔

مولانا محمد رمضان علوی۔ راولپنڈی۔ | بزرگوں کا سایہ رحمت خداوندی ہوتا ہے۔ اس سے محرومی ہوگئی والدہ جس بے تکلفی سے اپنے بچوں کو بلاتی ہے وہ اس کا حصہ ہوتا ہے۔ اولاد کو وہ حلاوت کسی دوسری جگہ نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کی والدہ کا وصال ہوا تو پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ اور فرمارہے تھے۔ کہ آہ آج مجھے شبیر بلانے والا کوئی نہ رہا۔

جمعیۃ العلماء اسلام تحصیل مری | جمعیۃ کے تمام کارکن انتہائی غم زدہ حالت میں آپ سے تعزیت کرتے ہیں۔ ہم آپ کے شاگرد ہیں۔ اس لئے مرحومہ ہماری روحانی اماں ہیں۔ مدرسہ دارالعلوم ربانیہ مری اور جامع مسجد شرقیہ مری کے طلباء اساتذہ اور نمازیوں نے مرحومہ کیلئے ایصال ثواب کیا۔ فاتحہ خوانی کی آئندہ جمعہ عام قرآن خوانی ہوگی۔ (قاری اسد اللہ عباسی۔ مری)

STATE ENTERPRISE
BIM
اقتصادی خود کفالت کا حصول شروع ہی سے عوامی حکومت کا نصب العین رہا ہے۔ بی آئی ایم نے اپنے زرعی اور صنعتی شعبوں کے منصوبوں کی تشکیل ترقی اور تکمیل میں ہمیشہ اس نصب العین کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہیوی انجینئرنگ کے شعبے میں نمایاں ترقی ہوئی ہے ہیپلز اسٹیل ملز، ہیوی میکنیکل کمپلیکس، پاکستان مشین ٹولز فیکٹری اور کراچی کے نزدیک زیر تعمیر عظیم الشان اسٹیل ملز اس جرأت مندانہ پیش قدمی کے آئینہ دار ہیں۔
بی آئی ایم نے تین فرٹیلائزر پلانٹ۔ میرپور متھیلو میں پاک سعودی فرٹیلائزرز، ملتان میں پاک عرب فرٹیلائزرز اور ہری پور میں ہزارہ فرٹیلائزر کمپلیکس قائم کر کے زرعی شعبے کو تقویت بخشی ہے۔ یہ تمام فیکٹریاں، انشاء اللہ ۱۹۸۰ء سے پہلے پہلے پوری طرح کام کر رہی ہوں گی۔
بین الاقوامی افراط زر اور اقتصادی بحران کے باوجود بی آئی ایم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔
بورڈ آف انڈسٹریل مینجمنٹ
فیڈرل کیمیکل اینڈ سرامکس کارپوریشن
فیڈرل لائٹ انجینئرنگ کارپوریشن
نیشنل ڈیری اینڈ انڈسٹریل سروسز کارپوریشن
نیشنل فرٹیلائزر کارپوریشن
پاکستان آٹوموبائل کارپوریشن
پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن
پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن
اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن
اسٹیٹ ہیوی انجینئرنگ اینڈ مشین ٹول کارپوریشن
اسٹیٹ پٹرولیم ریفائننگ اینڈ پٹروکیمیکلز کارپوریشن
بی آئی ایم۔ ترقی کی طرف گامزن

فوّارہ مارکہ
اعلیٰ قسم کا
سُوتی دَھاگہ
سنگل اور فولڈڈ
۱۰ کاؤنٹ سے ۴۰ کاؤنٹ تک
ہینکس کے علاوہ کونز پر بھی دستیاب ہے
FOUNTAIN
BRAND
فوارہ مارکہ
تیار کنندگان :
ڈی۔ایم۔ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
رجسٹرڈ آفس : ۱۱۶۔ کاٹن ایکسچینج بلڈنگ — پوسٹ بکس نمبر ۴۶۱۶ — کراچی
تار کا پتہ : DOSTCOT — فون — ۲۳۱۳۲۰ — ۲۳۳۹۱۳
ملز : سٹی چھاؤنی — پوسٹ بکس ۵۲ — راولپنڈی
تار کا پتہ : FINETEX
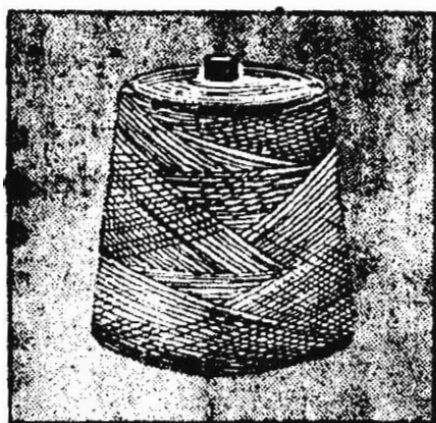
اعلیٰ بناوٹ

دلکش وضع

دلفریب رنگ

کا

حسین امتزاج

دنیا کے مشہور

SANFORISED

REGISTERED TRADE MARK

سنفورائزڈ پارچہ جات

سکڑنے سے محفوظ

۲۰ ایس سے ۸۰ ایس کی سوت کی

اعلیٰ بناوٹ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

آپکو بہترین معیار کی جستجو ہے تو آپکا موزوں ترین انتخاب ' بے مثال لِنن اور انمول پاپلین

'بے مثال' لِنن اور 'انمول' پاپلین ' دیدہ زیب ' دیرپا ' اعلیٰ معیار اور نفاست میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں -

- پولی ایسٹر اور ریان سے تیار شدہ
- سُکڑنے سے محفوظ (Evaset)
- مرسرائزڈ ' آب و تاب
- شکنوں سے مُبرا
- واش اینڈ ویئر (دھلائی آسان ' استری سے بے نیاز)
- دیرپا فنش
- ہر گز پر تیار کنندگان کی مُہر
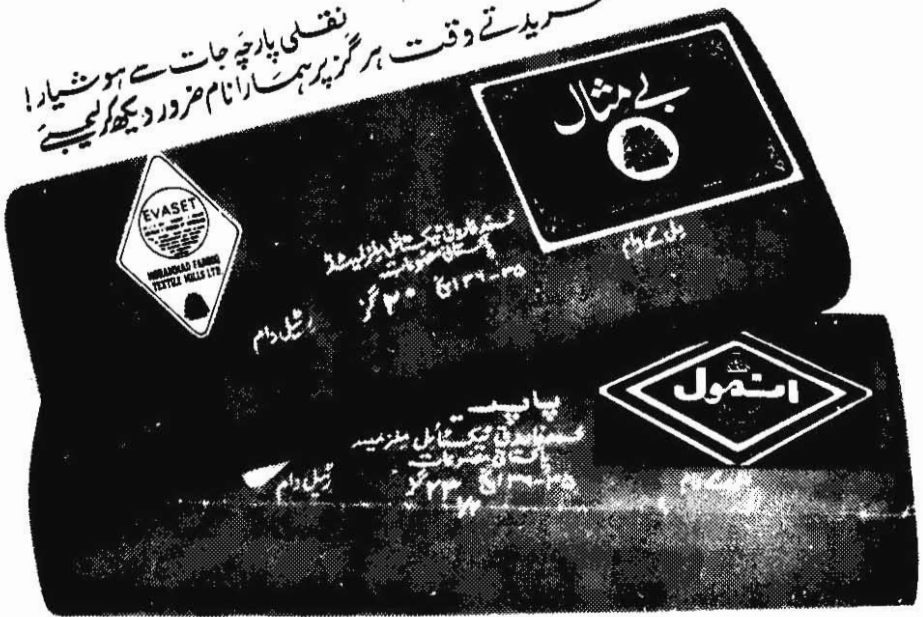
آپکے ذوق کیلئے۔ آپ کی زیبائش کیلئے

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

MFTM-6-75

ASIATIC

دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک — ضلع پشاور پاکستان

اجمالی کارگزاری

دنیائے علم و فضل کا خراجِ تحسین

بانی و مہتمم و شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ، ممبر قومی اسمبلی سابق استاذ اعلیٰ دارالعلوم دیوبند۔ آغاز ابتدائی شعبہ تعلیم القرآن ۱۹۳۶ء بدست شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، شعبہ دارالعلوم حقانیہ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ اکتوبر ۱۹۴۷ء۔ کل زیر تعلیم طلبا تاحال شعبۂ اطفال بیس ہزار، شعبۂ دارالعلوم بارہ ہزار، مجموعہ بتیس ہزار۔ اخراجات دارالعلوم تاحال تقریباً چالیس لاکھ، سالانہ بجٹ چار لاکھ روپیہ سے زائد۔ نصاب تعلیم مروجہ دارالعلوم دیوبند درس نظامی۔ فضلاء دارالعلوم دو ہزار تقریباً ایک ہزار بیرونی ممالک افغانستان تا سرحدات روس و چین، فضلاء کی اکثریت ملک و بیرون ملک میں تدریس، اہتمام مدارس تبلیغ خطابت، امامت، افواج تعلیم کاسہل وغیرہ میں مصروف ہیں۔ اساتذہ دارالعلوم ۱۵ عدد شعبہ اطفال مڈل، ۱۲۰ عملہ ۲۳، مجموعہ ۴۴، تعداد طلبۂ دارالعلوم و شعبۂ ابتدائی گیارہ سو، امداد طلبہ طعام و قیام، کتب روشنی ادویہ صابن وغیرہ شعبہ جات دارالافتاء مجموعی جوابات پچیس ہزار، تجوید و قراءت تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ شعبہ عربی لسانیات معلم مبعوث الازہر شعبہ مطبخ، شعبہ تعمیرات، شعبہ محاسبی شعبہ تعلیمات امتحانات سہ ماہی ششماہی، سالانہ الحاق وفاق المدارس تعداد دورہ حدیث ۱۵۰ سالانہ کتب خانہ آٹھ ہزار مطبوعہ قلمی ایکسو، سندِ دارالعلوم سرحد، افواج پاکستان، افغانستان، جامع ازہر میں (سرکلر ۲۲/۹/۱۹۶۰ء) مستند عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ تعمیرات جامع مسجد، دارالحدیث، دفاتر، دارالتدریس، احاطہ مدنیہ، قاسمیہ، مسقف، احاطہ اساتذہ، دارالضیافہ، مکانات عملہ و اساتذہ، مدرسہ تعلیم القرآن زیر تعمیر دارالتصنیف۔ ماہنامہ الحق آغاز ۱۹۶۵ء بانی و مدیر مولانا سمیع الحق، حلقہ اشاعت برصغیر، مشرق وسطیٰ، یورپ وغیرہ، مقاصد احیاء علوم کتاب و سنت اور اشاعت اسلام مؤتمر المصنفین تحقیق و تصنیف کا ذیلی ادارہ۔

اقتباسات از تحریری تاثرات مشاہیر علماء پاک و ہند

مولانا حسین احمد مدنیؒ: قلیل مدت میں ترقی مقبولیت خداوندی کی دلیل۔ قاری محمد طیب مہتمم دیوبند: دارالعلوم نے اپنی صورت و سیرت میں دارالعلوم دیوبند کی صورت و سیرت کو سمو لیا ہے اور وہ دارالعلوم دیوبند ہی بن گیا ہے۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ: جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو چیلنج کے عنوان سے پاکستان کی گیارہ سالہ زندگی میں اسلام کی جو خدمات ایک عالم حضرت مولانا عبدالحق صاحب نے کی، کیا آپ سب نے مل کر جو سینکڑوں میں ہیں اتنی کی ہے؟ پاکستان میں کیا حفظ و بقاء کے سلسلہ میں علماء کرام کا سر بلند نہیں؟ خدام الدین، ۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء خطبہ جمعۃ الوداع۔ مولانا محمد زکریا سہارنپوری: مزید ترقیات و اخلاص کی دعائیں۔ مولانا محمد یوسف دہلویؒ: علوم نبویہ کے عمومی و خصوصی فیضان کا ذریعہ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی: اکوڑہ خٹک کا نام ہی میرے لئے بہت کشش رکھتا ہے ——— یہاں سے ہماری روح اور قلب کا تعلق ہے۔ یہاں سے ایک سلسلے کا آغاز ہوا جس کے نتیجہ میں یہ مملکت عطا ہوئی خدا کرے اب علم و قلم کے ذریعہ ان مقاصد کی تکمیل ہو اور اس جسد میں صحیح روح پیدا ہو ——— بڑی خوشی یہ ہے کہ دارالعلوم حقانیہ (سید احمد شہیدؒ) کا میدان جنگ اور مشہد مجاہدین کے قریب ہی ہے۔ مولانا محمد میاںؒ دہلوی الجمعیت: تشنہ لبوں کو علم و ہدیٰ کے آب حیات سے سرشار کرنے۔ مولانا مفتی محمود: بجا طور پر پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی نیابت کا مقام، ہدایت و حفاظت علوم کا روشن مینار، عربی علوم کی عظیم درسگاہ۔ مولانا خان محمد کندیاں: دارالعلوم دیوبند کا متبادل۔ مولانا غلام غوث ہزاروی: پاکستان میں دیوبند عظیم اسلامی کامیاب یونیورسٹی، سرحدی ممالک کے اسلامی طلبہ کے لئے شاہراہ۔ مولانا عبیداللہ انور لاہور: میرے لئے قبلہ علمی جس کی فضا اور ہوا سے دیوبند کی بو آتی ہے۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ: پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی مثالی حیثیت دور ماضی کی یاد اپنی مثال آپ۔ مولانا نصیر الدین غورغشتیؒ: میرے بعد خدمت حدیث جاری رہنے کے میری دعاؤں کی تعبیر۔ مولانا نجم الدین اصلاحی مرتب مکتوبات شیخ الاسلام: مغربی پاکستان کا جامع ازہر (مکتوبات ج ۴ ص ۲۲۶)۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی: مغربی پاکستان کا ممتاز دارالعلوم اللہ تعالیٰ کے انعام کی کھلی نشانی۔ مولانا شمس الحق افغانی: ہمارے علم میں فقید المثال۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ: تائید غیبی کا کرشمہ۔ قاضی سجاد حسین دہلوی: اس خطہ کے لئے شمع ہدایت۔ مولانا عبداللہ درخواستی: بہترین طریق پر دینی تعلیم، طلبہ میں دینی شوق دوسرے مدارس سے بہت زیادہ۔ مولانا محمد اسعد مدنی: ہمارے حضرت مدنیؒ کا خاص تعلق تھا۔ مولانا عبدالمالک مجددیؒ: ادارہ متبرکہ کی چوگنی ترقیات کا متمنی۔ پیر محسن الدین بنگلہ دیش: ہر محکمہ میں نہایت انتظام، تعلیم کے ساتھ روحانی قدر و قیمت۔ مولانا احتشام الحق تھانوی: تاریخ میں اس کے کارناموں اور دینی و تبلیغی خدمات کو سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ پیر مانکی شریف: دین کی شمع روشن رکھنے کا بے مثال کام۔ پیر دیول شریف: صدہا تحسین و تبریک۔ خان عبدالولی خان: دیوبند کی روایات اور مولانا حسین احمد مدنیؒ باعمل عالم کا کردار۔ چودھری ظہور الٰہی: اس شمع ہدایت و علم میں حاضری باعث سعادت۔ شاہ احمد نورانی: دور دراز کے طلبہ دیکھنے سے قلبی مسرت۔ پروفیسر غفور احمد: اس کے انتظام اور علم کی خدمت سے بہت متاثر ہوا۔ ابوالکلام محمد یوسف کھلنا: تقسیم کے بعد دینی تعلیم کے خلاء کو ایک حد تک پورا کر دیا۔ اے کے بروہی: یہاں حاضری زندگی کا تاریخی دن، اور مدتوں کی آرزوؤں کی تکمیل۔ مولانا کوثر نیازی: پاکستان میں وہ حیثیت حاصل کرے گا جو برصغیر میں دیوبند کا ہے۔

عالم اسلام

مولانا عبدالغفور مہاجر مدینہ: دینی سرچشمہ حیات، بہترین نظم و ضبط، عظیم الشان نشرگاہ علوم دینیہ۔ علامہ بشیر الابراہیمی الجزائری: قد یوجد فی الہند ما لا یوجد فی الجزیرۃ تکادون تکونون کہذا المدارس۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلب: راقنی سمت طلبہا الکاملۃ المسلمۃ ونظامہا الفطری الاسلامی البصیر وتوجیہ اساتذتہا البعید الصدور۔ شیخ الازہر الدکتور فحام: زرناہ وسرنا کثیراً ما تقوم بہ من خدمۃ الاسلام واللغۃ العربیۃ۔ سفیر الجمہوریۃ العربیۃ اللیبیۃ: یستحق کل اجلال وتقدیر۔ الوفد الکویتی: مجہود کبیر فی طلب العلم۔ الوفد اللیبی والمراکشی: وجدنا فیہ الشیء الذی یسر الخاطر۔ الوفد التعلیمی السعودی: سرنا ما شاہدناہ، لہذہ الدار الکریمۃ ابلغ الاثر فی شکل ہذا الموقع۔ الوفد الصحفی السعودی: الجہود الخیرۃ الموفقۃ فی نشر اللغۃ والدین۔ اخبار فردا تہران: از مراکز علوم اسلامی پاکستان۔ ایرانی وفد: مثل خود ثانی ندارد۔ محمد حسین تسبیحی ایرانی: برائے دنیائے اسلامی باعث افتخار۔ محمد ابراہیم مجددی: ملا شدہ بازار افغانستان مرکز علوم دینیہ، جامع اسلامی، غنیمت عظمیٰ۔ اخبار المدینہ: زیارتنا لہذہ المدرسۃ قلت فی نظرنا زیارۃ ای شیء آخر۔